بیادِ امامِ اہلِ سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

سہ ماہی

افکارِ رضا

ممبئی

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مخالفین کذب و خیانت سے کام لیتے ہیں۔ آج تک کوئی ثبوت بلا تحریف و خیانت کے فاضل بریلوی کی کسی بھی کتاب سے نہ لاسکے، جو ان کے الزام و بہتان تراشی کی تصدیق کسی بھی جہت سے کرتا ہو، اسی لئے مخالفین الزام تراشی، بہتان بازی کی تمام تر کوششوں کے باوجود فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح نہ کرسکے۔

نوشاد عالم چشتی۔ آگرہ یونیورسٹی۔ آگرہ

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

تحریکِ فکرِ رضا ۱۶۷ ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ ممبئی ۴۰۰۰۰۸

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جلد ۳ اپریل تا جون ۱۹۹۷ء (۸) محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۱۸ھ شمارہ ۲

فہرست

Correspondence Address :

167, DIMTIMKAR ROAD, NAGPADA, MUMBAI-400 008, INDIA.

زیرِ ادارت　　اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا　　محمد زبیر قادری

علماء اپنے ورثہ کی حفاظت کریں

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ میری امت کے علماء (تبلیغ واشاعت دین میں) بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہوں گے۔ وغیرہ بے شمار احادیث علماء کرام کے فضائل و مناقب اور اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ خالقِ کائنات نے جہاں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا، وہیں دین اسلام کو مکمل بھی کر دیا۔ لیکن زمانے کے ہر لمحے بدلتے ہوئے حالات کے تحت امتِ مسلمہ کو ہدایت و رہنمائی۔ دین کی ترویج و اشاعت اور حفاظت کی ضرورت تھی اس لئے علماء کرام کو یہ ذمہ داری سونپی گئی اور ہر دور میں علماء کرام نے اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ جہاں علماء کرام کی مقدس جماعت نے دینی و دنیاوی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ وہیں اپنے عہد میں اٹھنے والے ہر فتنے کا پامردی سے مقابلہ بھی کیا۔ اور ہر محاذ پر سرخروئی حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ سو سال بعد ہزاروں فتنوں کے گزر جانے کے باوجود اور عصر حاضر میں بے شمار فتنوں کی موجودگی میں بھی اسلام مکمل اور محفوظ ہے۔ اور امت مسلمہ کی اکثریت اسی دین حقہ مسلک اہل سنت و جماعت سے وابستہ ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے تمام حربے انھیں اپنے مسلک سے ہٹا نہیں پائے۔ گمراہ و بدمذہب جماعتوں کے لٹیرے ان کی دولتِ ایمانی کو لوٹ نہیں پائے تو صرف اس لیے کہ علماء کرام نے کبھی ڈالر و درہم کے بدلے امت کا سودا نہیں کیا۔ غریبی اور مفلسی میں بھی ہمیشہ ملت اسلامیہ کی حفاظت کی اور خود کی اور ان کی آخرت سنوارنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

لیکن آج ہم مسلک اہل سنت و جماعت کے منظر نامے پر نظر ڈالیں تو کچھ اور ہی حالات نظر آتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ان ستونوں پر نہ جانے کس کی نظر لگی ہے یا یہود و نصاریٰ کے تربیت یافتہ جاسوسوں (ہمفرے۔ لارنس آف عربیہ وغیرہ) نے ہمارے علماء کرام میں شامل ہو کر انتشار کی فضا پیدا کر دی ہے کہ علماء میں آپسی چپقلش اور سرد جنگ کا سا ماحول ہے۔ ان کا آپس میں کوئی تال میل نہیں، ہر کوئی دوسرے سے شاکی اور بدظن۔ جیسے انھیں دین سے زیادہ اپنی "انا" پیاری ہے اور کسی کو دین کی کچھ پرواہ ہی نہیں۔ کیا یہ علماء زمانے کی امامت کے لائق ہیں؟ کیا یہ علماء نبی کی میراث کی حفاظت کر رہے ہیں؟

"وہ امام نہیں جس کی زمانے پر نظر نہ ہو۔" زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ علماء کرام کو اسلام کی ترویج و اشاعت اور باطل قوتوں کے ردّ و ابطال میں تبدیلی لانا نہایت ضروری تھا۔ گذشتہ صدیوں میں جن حربوں اور سازشوں سے اسلام کی بیخ کنی کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ علماء نے اس کے مدمقابل ایسا لائحہ عمل مرتب کیا کہ تمام سازشیں ناکارہ ہو گئیں اور باطل قوتیں ناکامیوں سے دوچار ہو گئیں۔ لیکن آج وہ قوتیں نئے ساز و سامان کے ساتھ، نئے طرز و انداز سے اور بالکل ہی نئے پیکر میں اسلام کی بیخ کنی کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ کیا

ان حالات میں ہم اسی طریقۂ کار پر عمل کرتے ہوئے اسلام کا دفاع کر سکتے ہیں ؟ حقیقتاً نہیں۔ سچائی یہ ہے کہ ہمارے یہاں حالات کے مطابق کام کرنے کا طریقہ نہیں اپنایا گیا۔ نہ ہی اس طرف مکمل توجہ دی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم ہر چھوٹی سی چھوٹی جماعت اور چھوٹے سے چھوٹا فرقہ سے کم زور اور کمتر نظر آ رہے ہیں۔ اپنی غلطیوں اور خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہم یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ ان جماعتوں اور فرقوں کو یہود، ہنود اور نصاریٰ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اور طاغوتی طاقتیں انھیں وسائل مہیا کر رہی ہیں۔ بلاشبہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں۔ لیکن اس وقت ہم اللہ رب العزت کا یہ فرمان کیوں بھول جاتے ہیں کہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو، اور تمام فرقوں میں اہل سنت و جماعت ہی سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر کیوں ہم ہر محاذ پر روبہ زوال اور تنزلی کا شکار ہیں۔ دوسرے جب ہمیں یہ پتہ ہے کہ دشمن ہر لمحے ہماری تاک میں رہتا ہے وہ ہماری ہر حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ وہ طاقت ور بھی ہے، منظم بھی ہے متحد بھی اور ہمارے خلاف ہر پہلو سے مسلسل حملے کر رہا ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ جب دشمن ہماری طرف سے بے فکر ہوتا ہو، پھر ہم کیوں اس قدر بے فکر اور بے خبر ہیں۔ کیا ہم اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو گئے۔ یا پھر ناجی فرقہ ہونے کی بناء پر مطمئن و شاداں ہیں "ہائے رے نیند مسافر تیری۔ کوچ تیار ہے کیا ہونا ہے۔ ہم میں سے کوئی وسائل کی کمی کا رونا لئے بیٹھا ہے تو کوئی قرب قیامت کا بہانہ کر رہا ہے۔ اس وقت ہمیں یہ یاد کیوں نہیں رہتا کہ اللہ مسبب الاسباب ہے"

تدبیر کے ذریں ہاتھوں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
اللہ بھی مدد فرماتا ہے جب کوشش انساں ہوتی ہے

ہماری قلعی اس وقت کھل جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذات پر کوئی انگلی اٹھاتا ہے یا کسی کی برتری اپنی کمتری محسوس ہوتی ہے تو خود بخود وسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپسی نزاعات میں اپنے سنی بھائی کے خلاف کتابچوں، پمفلٹوں اور پوسٹروں اور زبانی تقاریر سے طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت کہاں سے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہی جذبہ اور حسن کار کردگی مسلک کی اشاعت کے لئے مفقود نظر آتا ہے۔

بلاشبہ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ ہمارے علماء کی اکثریت معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ جو بیچارے حصول معاش کے لیے ہی پریشان رہتے ہیں، ہم انھیں الزام نہیں دیتے بلکہ ہمارا مطالبہ تو ان علماء کرام سے ہے جو اگر چاہیں تو معتقدین، مریدین اور متوسلین کے ذریعہ ہر سال ایک نیا دار العلوم قائم کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر اکابر علماء کی غیر مطبوعہ کتابیں شائع کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ اگر ایسا کرنے لگے تو ان کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور مرغ مسلم کا خرچ کون برداشت کرے ان کے امریکہ، افریقہ و یورپ کی سیاحت کا بار کون اٹھائے۔

آج بھی ہماری جماعت میں ایسے مخلص و مجاہد علماء موجود ہیں۔ جن کے دم قدم سے "سب ٹھیک ہے"

کی کیفیت بر قرار ہے۔ یہ ہمارے سر کے تاج ہیں اور ہمیں ان پر ناز ہے کہ یہ اشاعتِ دین کے لیے مسلسل جہاد میں مصروف ہیں اور واقعی ان کے دل میں مسلک کا درد ہے جنھوں نے ہزاروں مسائل کے باوجود بھی خدمتِ دین کا کام جاری رکھا ہے۔ انھیں بھی معاشی مسائل ہیں۔ ان کے بھی خانگی مسائل ہیں۔ لیکن یہ تمام پریشانیوں اور مسائل سے اس لئے گزر جاتے ہیں کہ یہ سچے عاشقِ رسول ہیں۔ ان کے دل مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے معمور ہیں۔ یہ پاکیزہ نفوس عاشقِ رسول ہونے کا زبانی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ان کی زندگیاں دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ و فروغ کیلئے وقف ہیں اور یہی عاشقِ رسول ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ کیسے عاشقِ رسول ہو سکتے ہیں جن کے سامنے دین وسنیت پر ہر جانب سے حملے ہو رہے ہوں شریعت مصطفوی پامال ہو رہی ہو اور یہ اپنے حجروں میں محو استراحت رہیں۔ ایک سچا عاشقِ رسول کبھی گستاخانِ رسول کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا ہم میں عشقِ رسول کا جذبہ نہیں رہا جو دین مصطفیٰ پر آنچ آئے اور ہم خاموش بیٹھے رہیں؟

ہماری ان علماء کرام سے گزارش ہے کہ اس تحریر کو تنقید نہ سمجھیں' حالات کا جائزہ لیں۔ ہم آپس میں لڑ بیٹھیں تو دین کو کون سنبھالے گا۔ اہل سنت وجماعت کی یہ کشتی پھر کسی ناخدا کی منتظر ہے۔ اپنے منصب کی حفاظت کریں۔ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے دین وسنیت کے فروغ اور تحفظ میں جٹ جائیں۔ عشقِ رسول کی بنیاد پر آپس میں اختلافات کے باوجود متحد رہنا سیکھیں۔ مل جل کر باطل قوتوں کا سامنا کریں۔۔۔۔ اور سچے وارثِ نبی ہونے کا ثبوت دیں۔

O O O

اخبار رضا

O آفتابِ رضویت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی ۱۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو کراچی پاکستان میں رحلت فرما گئے O تحریک فکر رضا' ۱۶/۷ ڈ منمکر روڈ' ناگپاڑہ' ممبئی ۸ نے علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب کی کتاب "کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک ساتھ دیوبند میں پڑھا تھا" شائع کر دی ہے۔ پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں۔ O سنی یوتھ فیڈریشن نے ۱۶/۷ ڈ منمکر روڈ' ناگپاڑہ ممبئی ۸ نے انگریزی وظائف کا مجموعہ "The Quranic & Spritual Analysis of day to day problems" شائع کیا ہے دپانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں۔ O "غیر صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہنا کیسا ؟"۔ ایک ضروری فتویٰ از قلم حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی' نیاز حسین کمیٹی۔ عبدالرحمٰن اسٹریٹ ممبئی ۳ نے شائع کر کے مفت تقسیم کی ہے O امام احمد رضا فاؤنڈیشن۔ کالی کٹ۔ کیرالہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصانیف (۱) "اذان الاجر فی اذان القبر" کا ہندی ترجمہ "اذان قبر" اور (۲) "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" کا ہندی ترجمہ "کیا اولیا اللہ زندہ

ہیں ؟" شائع کی ہیں۔ دونوں کتابوں کے مترجم علامہ عبدالستار ہمدانی قادری برکاتی نوری ہیں۔O "امام احمد رضا خاں بریلوی "کتاب اسلامک سندیش کمیٹی۔ منگلور۔ کرناٹک نے کنڑ زبان میں پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کی ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے۔O الرضا اسلامک اکیڈمی' بریلی شریف نے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی مرتب کردہ "مفسر اعظم ہند" شائع کی ہے۔ جس میں زبان رضا مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی کے حالات زندگی قلم بند ہیں۔O "پیغام رضا" کا مفتی اعظم نمبر۔ رضا دار المطالعہ پوکھریرا' سیتا مڑھی' بہار نے شائع کر دیا ہے' قیمت ر ۹۲ روپئے ۔ رضا اکیڈمی ۱۲۶ کامبیکر اسٹریٹ' ممبئی ۳ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ نمبر مفتی اعظم کی حیات و خدمات پر بہترین مقالوں کا مجموعہ ہے اور مفتی اعظم کی زندگی کے نئے گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔O ڈاکٹر اعجاز مدنی کا پی ایچ ڈی مقالہ "اردو غزل میں تصوف۔ ولی سے اقبال تک" رضوی کتاب گھر۔ ۴۲۳ 'مٹیا محل' جامع مسجد دہلی ۶ نے شائع کر دی ہے۔ قیمت۔ ۱۵۰ روپئے O ادارہ افکار حق' بائسی' پورنیہ۔ بہار نے علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی انگریزی تصنیف Elementary Teaching of Islam شائع کی ہے ۔O دار العلوم خیریہ نظامیہ' سسرام بہار سے ایک سہ ماہی مجلہ "الکوثر" کا اجرا ہوا ہے۔ قیمت فی شمارہ -/8 روپے O ادارہ سنی دنیا' 82 سوداگران' بریلی شریف سے حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں کے چند فتاوے انگریزی میں شائع ہوئے ہیں Few English Fatawa جسے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے مرتب کیا ہے O "شرح حدائق بخشش" مرتبہ علامہ محمد فیض احمد اویسی کی جلد ششم' ہفتم' ہشتم' نہم اور دہم پاکستان میں شائع ہو گئی ہے۔O "امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ" مولف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب' ادارہ مسعودیہ 5,6/2۔ ای ناظم آباد۔ کراچی سے شائع ہو گئی ہے۔O "امام احمد رضا بریلوی کی عالمی اہمیت" مولفہ ڈاکٹر محمد ہارون ڈائریکٹر رضا اکیڈمی انگلینڈ کا اردو ترجمہ رضا اکیڈمی (یو۔ کے) شائع کردہ ادارہ مسعودیہ کراچی نے شائع کر دیا ہے O "امام احمد رضا محدث بریلوی کا عظیم اصلاحی منصوبہ" تصنیف ڈاکٹر محمد ہارون (انگلینڈ) اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی شریف' ادارہ مسعودیہ کراچی نے شائع کیا ہے۔ ہندوستان میں الرضا اسلامک اکیڈمی۔ بریلی شریف سے شائع ہو چکا ہے۔O "شیخ الاسلام" "مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی زندگی پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی تحریر ادارہ مسعودیہ' کراچی نے شائع کی ہے۔O "دو قومی نظریہ اور پاکستان" از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد' ادارہ مسعودیہ کراچی سے شائع ہو گئی ہے۔O حدائق بخشش کی نعتوں کا انگریزی ترجمہ "Imam Ahmed Raza's Religious Poetry" مترجم پروفیسر جی ڈی قریشی رضا اکیڈمی۔ انگلینڈ نے شائع کی ہے۔O امام احمد رضا اکیڈمی۔ ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ سے ایک انگریزی نیوز لیٹر "رضا" جاری کیا گیا ہے۔ یہ مجلہ دو ماہی ہے۔O ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ' کانپور نے مرتد سلمان رشدی کے جواب میں "ایمانی آیات" شائع کر دیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ دی فائنل ورسیز "The Final Verses" جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے قابل و باصلاحیت سُنّی پروفیسر صاحبان نے کیا ہے۔ جلد ہی اس کا رسم اجراء سرکاری سطح پر دہلی میں کیا جائے گا۔

آہ! علامہ شمس رحمۃ الرحمٰن الواسع علیہ

۱۴۱۷ھ

از:۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ۱۰۴ ار جسولی۔ بریلی شریف

وہ ایک سورج تھا، غروب ہو گیا۔ لیکن سورج غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ وہ ہم سب کا سورج، دنیائے سنیت کا شمس غروب ہوا ہے، فنا نہیں ہوا ہے۔ اس نے اپنا مطلع تبدیل کیا ہے۔ وہ جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا ہے۔ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، ہم سے دور چلا گیا ہے لیکن اس کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گی۔ اس نے جو شعاعیں بکھیری ہیں، جو تابانیاں اور توانائیاں عطا کی ہیں وہ ہم سے قریب ہیں، ہمارے پاس ہیں اور سدا ہمارے پاس ہی رہیں گی مقدس امانتوں کی طرح جنہیں صفحات قرطاس نے الفاظ و معنی افکار و نظریات اور علم و تحقیق کی شکل میں اپنے سینہ و دل میں بسا رکھا ہے اور جن کے انوار و تجلیات ہمارے افکار و خیالات کے سیہ خانوں کو ضو فشاں کئے ہوئے ہیں۔

ہاں، ہاں! وہ سورج تھا۔ آج بھی وہ یہی صدا بلند کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔

سورج ہوں میں اپنی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

اپنی تصنیف و تالیف:۔ مقدمہ و تبصرہ اور شرح و ترجمہ وغیرہ کی رمق و شفق چھوڑ جانے والے سورج کو علامہ شمس بریلوی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پورا نام۔ شمس الحسن صدیقی اور تخلص۔ شمس ہے۔ آپ کے والد ماجد جناب ابوالحسن صدیقی علیہ الرحمہ اپنے عصر کے بریلی کے مشاہیر اساتذہ میں تھے۔

آپ ۱۹۱۹ء میں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ کے فارسی کے استاد مولوی سید قاسم علی خوانبان قدس سرہ تھے۔ آپ نے دارالعلوم منظر اسلام کے درس میں شریک ہو کر حضرت مولانا سردار ولی خان عرف عزو میاں علیہ الرحمہ سے مختصر معانی پڑھی۔ چند ماہ محدث حضرت احسان علی بہاری اور مولانا ابرار تمبری صاحبان رحمۃ اللہ علیہم سے بھی درس لیا۔ ۱۹۳۶ء میں فارغ ہونے کے بعد یادگار اعلحضرت دارالعلوم منظر اسلام کے شعبۂ فارسی سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد شعبۂ فارسی کے صدر مقرر کر دئے گئے۔ منظر اسلام میں آپ نے ۱۹۴۸ء تک تدریسی خدمات انجام دیں بعدہ فضل الرحمٰن اسلامیہ انٹر کالج بریلی میں فارسی کے لیکچرر ہو گئے۔

ہجرت پاکستان:۔ آپ نے ۱۹۵۲ء میں پاکستان کیلئے ہجرت فرمائی۔ کراچی میں آپ شعبۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور ریٹائرمنٹ تک اسی شعبہ سے باعزت طریقہ سے وابستہ رہے۔

بیعت وارادت :۔ آپ کو امام احمد رضا کے دونوں شہزادگان۔ حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم علیہما الرحمہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ ۱۹۴۲ء میں حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کے بعد آپ نے سوچا کہ جلدی کیا ہے حضرت مفتی اعظم سے مرید ہو جاؤں گا لیکن ۱۹۵۲ء میں پاکستان آگئے اور پھر بھارت آنے کا موقع میسر نہ آیا۔ آخر حضرت علامہ تقدس علیخاں الرحمہ سے (م ۱۴۰۸ھ) ان کے وصال سے چند سال قبل بیعت ہوئے۔

شخصیت :۔ علامہ شمس الحسن صدیقی شمس بریلوی۔ بہت ہی متواضع خوش اخلاق خوردہ نواز علم دوست علم نواز اور عظیم علمی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت شاعر ادیب نقاد مصنف مترجم حاشیہ نگار مقدمہ نویس اور محقق تھے۔ عمر بھر لوح وقلم کی پرورش کرتے رہے۔ آپ کو عربی فارسی اور اردو زبان وادب پر یکساں عبور حاصل تھا اور ترجمہ نگاری میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

تصنیفات وتالیفات :۔ ۱۔ نفسیات کے زاویے ۲۔ کلام رضا کا تحقیقی وادبی جائزہ ۳۔ سرور کونین کی فصاحت ۴۔ لمعات خواجہ ۵۔ نظام مصطفیٰ ۶۔ تنقیدی شہ پارے ۷۔ سعیدی اردو کمپوزیشن ۸۔ ارمغان سیفی ۹۔ کلیات جامی مع مقدمہ ۱۰۔ اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں ۱۱۔ تحقیق وتصحیح مثنوی سحر البیان مع مقدمہ دامن گلچیں ....وغیرہ

مقدمات :۔ مندرجہ ذیل کتب پر علامہ شمس کے مقدمات قابل قدر ہیں :

۱۔ کشف المحجوب ۲۔ مکاشفات القلوب ۳۔ مدارج النبوۃ ۴۔ فوائد الفواد ۵۔ اختصاص الکبریٰ ۶۔ مقامات صوفیاء ۷۔ ماثر الکرام ۸۔ مدارج النعت ۹۔ فتاویٰ مصطفویہ حصہ اول

تراجم وشروح :۔ ۱۔ ترجمہ گلستاں سعدی مع حواشی ۲۔ ترجمہ بوستاں مع حواشی ۳۔ شرح دیوان حافظ شیرازی مع حواشی ۴۔ ترجمہ مدارج النبوۃ حصہ دوم ۵۔ ترجمہ انشائے ابو الفضل دفتر اول ۶۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین مع مقدمہ ۷۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء مع مقدمہ ۸۔ ترجمہ عوارف المعارف مع مقدمہ ۹۔ ترجمہ نفحات الانس مع مقدمہ ۱۰۔ تکان مرگ (فارسی) ترجمہ۔ موت کا جھٹکا ۱۱۔ ترجمہ معلم الدین بزبان فارسی ۱۲۔ امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری حصہ اول ودوم۔ حضرت شمس نے امام احمد رضا کے نعتیہ قصیدہ مشتمل بر مصطلحات نجوم وہیئت کے تقریباً ستر اشعار کی شرح فرمائی ہے جو اس دور میں انہیں کا حصہ تھا۔ یہ شروح قسط وار معارف رضا کراچی۔ ۱۹۸۳ء '۱۹۸۷ء '۱۹۸۸ء میں چھپ چکی ہیں۔

نوٹ :۔ راقم السطور عبد النعیم عزیزی نے شرح قصیدۂ رضا مرتب کر کے کتابت کرالی ہے۔ جلد ہی شائع کیا جائے گا۔ حضرت شمس نے ترتیب کے حساب سے جن اشعار کی شرح نہیں کی تھی یا معارف رضا میں چھپنے سے رہ گئے تھے ان میں سے آٹھ اشعار کی شرح راقم الحروف نے خود کی ہے۔

مقالات وتبصرہ جات :۔ علامہ شمس نے برادر رضا علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ

دیوان۔ ذوق نعت پر مختصر مگر جامع تبصرہ رقم کیا ہے۔

مدیر فاران کراچی مولوی ماہر القادری نے باترتیب امام احمد رضا اور مولانا حسن بریلوی کے اشعار :۔

۱۔ جو ترے در سے یار پھرتے ہیں　　　در بدریوں ہی خوار پھرتے ہیں

۲۔ حسن جب مقتل کی جانب تیغ براں لے چلا　　　عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

پر اعتراض کیا تھا تو علامہ نے اس کا مسکت جواب لکھا اور فاران ہی میں شائع کرایا جو بہت مقبول ہوا۔

مقالات برائے معارف رضا :۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (جس کے آپ سرپرست تھے) کے آرگن معارف رضا میں شرح قصیدہ رضا کے علاوہ آپ کے اور بھی کئی مقالات شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری۔ ۱۹۸۳ء ۲۔ فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام۔ ۱۹۸۶ء ۳۔ محدث بریلوی اور میاں نذیر حسین دہلوی۔ ۱۹۹۱ء۔ وغیرہ

رضویات پر اہم کام :۔ فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ ہندیہ کا تقابلی جائزہ آپ کا بڑا اہم کام تھا۔ آپ کے وصال سے یہ عظیم کارنامہ ادھورا رہ گیا۔

تاریخ گوئی :۔ آپ تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں آپ نے تاریخی قطعات و مادے استخراج فرمائے ہیں (۱) علامہ تقدس علیخان علیہ الرحمہ کے وصال پر یہ تاریخی شعر کہا۔

دال ہے ان کے کمالات پر شمس　　　لفظ حضرت میں ہے تاریخ وصال

(۲) پروفیسر مسعود احمد صاحب کے صوبہ سندھ کے اڈیشنل سکریٹری تعلیم مقرر کئے جانے پر آپ نے یہ تاریخی شعر کہا۔

محترمی مسعود احمد کو ہو مبارک یہ منصب والا　　　تم بھی تاریخ منصب نو کی شمس کہد و نظامت زیبا

آپ اچھے نعت گو شاعر بھی تھے۔ امام احمد رضا کے مشہور زمانہ سلام کی آپ نے تضمین بھی لکھی ہے۔

انعامات و اعزازات :۔ آپ کی تصانیف پر رائٹرز گلڈ نے دو بار پہلا انعام دس دس ہزار روپے مع توصیفی اسناد اور قومی سیرت ۱۹۸۶ء کا پہلا انعام ۲۵ ہزار روپیہ مع توصیفی سند جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں موصول ہوا۔

وصال :۔ علم و ادب کا یہ سورج ۱۲ مارچ ۱۹۹۷ء کو غروب ہو گیا۔

مادہ ہائے تاریخ وفات (از عبد النعیم عزیزی) :۔ ۱۔ ترجمان افکار رضا (۱۹۹۷ء) ۲۔ رخصت شمس منیر ادب (۱۹۹۷) ۳۔ خاموش شمع مشرق (۱۹۹۷ء) ۴۔ شمس المحققین قدس سرہ العلیم الاول (۱۴۱۷ھ) ۵۔ علامہ شمس بریلوی نور الکریم النور مرقدہ (۱۹۹۷ء) ۶۔ آہ! علامہ شمس رحمۃ الرحمٰن الواسع علیہ (۱۴۱۷ھ)۔۔۔

رضا نامے

○ مولانا محمد علی قاضی۔ خلافت انجمن۔ سرینام۔ ساؤتھ امریکہ

نومبر ۹۶ء کی ۲۵ تاریخ کو بمبئی سے بذریعہ ایرانڈیا' ہالینڈ اور بذریعہ KLM سرینام' ساؤتھ امریکہ پہنچا۔ الحمدللہ میرا یہ اس ملک کا چوتھا تبلیغی دورہ ہے۔ میں پہلی بار اس ملک میں مبلغ اسلام حضرت علامہ بدرالقادری صاحب قبلہ اور جناب الحاج لیاقت دل محمد صاحب (صدر مسجد نوری۔ ایمسٹرڈم) کے توسط سے ۱۹۹۳ء میں پہونچا تھا اور تادم تحریر پہنچا ہوں اور دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں کوشاں ہوں۔ یہاں سے میرا دورہ ویسٹ انڈیز کیلئے بھی ہوتا رہتا ہے اور وہاں بھی الحمدللہ میرے دورے کے بعد سنی مسلمانوں میں جان آگئی ہے ورنہ سعودی اور کویت کا پیسہ سنیت کا قتل عام کر چکا تھا۔ یہاں آنے والے علماء کے لیے لازمی ہے کہ وہ انگریزی پر عبور کامل رکھیں اور بلا تکلف انگریزی میں تقریر کرسکیں ورنہ آنا بے سود ثابت ہوسکتا ہے۔

سرینام پہونچنے کے بعد میں نے اعلیٰ حضرت پر ایک انگریزی رسالہ بنام His Highness Aala Hazrat لکھا ہے جو یہاں بیک وقت انگریزی اور ڈچ زبان میں ترجمہ ہوکر شائع ہوگیا ہے۔ میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سرینام کے سارے سنی مسلمان اور ہالینڈ' بیلجیم وجرمنی میں بسنے والے سرینامی سارے سنی مسلمان مسلک اعلیٰ حضرت سے وابستہ ہیں اور ان کی یہ وابستگی اتنی شدید ہے کہ ہندوستان کی کسی بھی درگاہ یا خانقاہ سے آنے والے پیر صاحب یا مقرر صاحب کو اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل کے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ التحیہ والثنا کے صدقے سنیت کو چار دانگ عالم میں زندہ کرے اور فکر رضا کو عام وتام فرمائے۔ آمین۔

سرینام پہونچتے ہی آپ کا موقر رسالہ "افکار رضا" باصرہ نواز ہوا۔ بے حد شکریہ اور بڑی نوازش! سبحان اللہ مضامین انتہائی علمی وتحقیقی ہیں اور رسالے کا کالم "رضانامے" اور "اخبار رضا" بے حد معلوماتی۔ رب قدیر آپ کے رسالے کو نظر بد سے بچائے اور "افکار رضا" کا عظیم ترجمان بنائے۔

○ فتح احمد بستوی مصباحی۔ بانی انٹرنیشنل حافظ ملت اسلامک اسمبلی۔ ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ

آج کی ڈاک سے تحریک فکر رضا کا داعی ونقیب مجلہ سہ ماہی افکار رضا' شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۹۶ء موصول ہوا۔ کرم فرمائی کا شکریہ۔ ماشاءاللہ رسالہ خوب سے خوب تر ہے۔ بلکہ رضویات پر ایک جہاد ہے۔ زیر نظر شمارہ میں جملہ مضامین خصوصاً امام احمد رضا کے مقطعے' طاہر لاھوری کی نعتیہ شاعری' ارباب شعروسخن کے لیے معلومات افزا ہے۔ اخبار رضا بہت موزوں اور مناسب ہے۔ اداریہ جہاد بالقلم کا نمونہ ہے۔ جس میں نصیحت بھی

ہے اور انتہاء بھی۔ لیکن پورے شمارے کی جان مولانا محمد وارث جمال قادری مصباحی جنرل سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت بمبئی کا "وادی نور کا سفر" ہے۔ جس میں جگہ جگہ ایمانی 'روحانی 'فکری 'علمی 'مذہبی 'دعوتی 'اصلاحی 'ادبی اخلاقی اور ایسی تاریخی و کراماتی منزلیں ہیں جس سے سفر کی اہمیت اور دوچند ہو جاتی ہے۔ برا نہ لگے تو چپکے سے میں یہ کہہ دوں کہ سفر نامہ کی دونوں قسطوں کو یکجا کر کے "افکار رضا" کا خاص شمارہ "وادی نور نمبر" نکالنا چاہیے تھا تاکہ ایک ہی زاد راہ میں پورا سفر مکمل ہو جاتا اور منزل تک پہنچنے میں کوئی تاخیر و دشواری نہ ہوتی۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ رسالہ کو استحکام عطا فرما کر نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین

○ مولانا نور احمد رضوی۔ صدر تحریکِ فکرِ رضا۔ شاخ گلبرگہ شریف۔ کرناٹک

ضروری احوال یہ ہے کہ دس شوال المکرم ۱۴۱۷ھ (یوم امام اہلسنت) کے مبارک موقع پر یہاں پر ایک عظیم الشان جشن امام اہلسنت منایا گیا۔ اور اس پروگرام کے افتتاحی خطاب میں چند اعلانات سے عوام الناس کو روشناس کرایا گیا۔ (۱) رضا دار المطالعہ کا قیام (۲) تحریک فکر رضا کی شاخ گلبرگہ شریف میں قائم کرنا اور (۳) دار العلوم امام احمد رضا کا قیام۔

مہمان مقرر مولانا مجیب علی رضوی صاحب خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند نے برادران اہل سنت سے پر زور اپیل فرمائی کہ مندرجہ بالا مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرم عمل ہونے کی کوشش کریں۔ اسی دن تحریک فکر رضا کی شاخ قائم کی گئی۔ ہم شاخ قائم کرنے سے قبل آپ سے اجازت بھی نہ لے سکے۔ اس لیے کہ حالات ایسے تھے۔ اس مبارک موقع جشن میں جہاں سینکڑوں کی تعداد میں برادران اہل سنت شرکت فرما تھے۔ شاید ایسا مناسب موقع پھر میسر ہو یا نہ ہو۔ اسی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے حضرت مجیب علی رضوی القادری کی ایماء پر تحریک فکر رضا کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

امید ہے کہ آپ اس حقیر کی کوتاہی کو در گزر کرتے ہوئے شاخ کی کامیابی و کامرانی کے لیے بھرپور تعاون عنایت فرمائیں گے اور حیدر آباد 'بنگلور' شولاپور 'ہاسپیٹ' پربھنی 'سانگلی' کولہاپور اور دیگر مقامات کے برادران اہل سنت کی خواہش ہے کہ تحریک فکر رضا کی شاخیں اپنے اپنے علاقوں میں بھی قائم کی جائیں۔ ہم آپ سے اس سلسلے میں التماس کرتے ہیں کہ ان حضرات کو بھی علاقہ واری شاخوں کے قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

○ سجاد احمد رضوی۔ محلہ قاضی۔ اننت ناگ۔ کشمیر

آپ کا محبت نامہ ملا۔ دل باغ باغ ہوا۔ یہاں کے حالات اس طرح ہیں کہ جب سے یہاں آزادی کی تحریک اٹھی ہے تب سے سنّیت بہت کمزور ہو گئی ہے۔ الغرض یہ تحریک آزادی نہیں تھی حقیقتاً یہ تحریک وہابیت ہے اور سنّی علماء کو چن چن کر مار ڈالا گیا۔ ہمارے اننت ناگ "اسلام آباد" میں ایک بہت بڑے سنّی عالم دین "حضرت ڈاکٹر قاضی نثار احمد" تھے جن کو دو سال قبل مودودی پارٹی نے بے دردی سے شہید کر دیا۔ اور اب

انھی کے نام منسوب "شہید ملت اکیڈمی" نوزائیدہ مگر فعال اکیڈمی ہے جس کے ارکان صبغۃ اللہ درس گاہ کے ہی ہیں اور یہ اکیڈمی "ہیئت" خاص کر "رضویات" پر کام کر رہی ہے اور درس گاہ صبغۃ اللہ میں طلباء کو ہیئت کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ سے لوگ واقف نہیں تھے۔ لیکن الحمدللہ اب لگ بھگ ہر کوئی اعلیٰ حضرت کو جاننے اور ان کے متعلق پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ "کنزالایمان" یہ ترجمہ تو دو سال قبل ہمارے کشمیر میں کہیں نہیں ملتا تھا۔ لیکن اس وقت ہر کتب خانے پر "کنزالایمان" کافی تعداد میں موجود ہے۔ کیونکہ "غلط ترجموں کی نشاندہی" نے تو یہاں وہ کمال کر دکھایا جو وہم و گمان میں نہ تھا۔ اب الحمدللہ بطفیل اعلیٰحضرت دن بدن لوگ واقف اور متاثر ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی بہت کمی ہے کہ اکثر تو اعلیٰ حضرت کو جانتے بھی نہیں۔ بریلی مسجد میں تحریک فکر رضا کا اسٹیکر "آپ سنی ہیں اور امام احمد رضا کو نہیں جانتے ہیں؟ تعجب ہے!!!" دیکھا۔ بہت خوش ہوئے۔ برائے مہربانی سو دو سو بذریعہ وی پی بھجوا دیں۔

بدمذہب یعنی تبلیغی، مودودی، دیوبندی، غیر مقلدیت۔ یہاں اس وقت غیر مقلد (اہل حدیث) فرقے نے کافی لٹریچر مفت تقسیم کیا ہے اور اپنی گرفت مضبوط کی ہے اور پچھلے سالوں میں تو انھوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متعلق بہت الزامات لگائے لیکن اب انشاء اللہ ان کا دندانِ شکن جواب دیا جارہا ہے پھر بھی بندگانِ خدا خراب ہو رہے ہیں۔ صرف اور صرف یہی فرقہ اس وقت کشمیر میں زور و شور سے کام کر رہا ہے اور وافر تعداد میں لٹریچر تقسیم کر رہا ہے۔

○ چاند علی رضوی۔ مرکزی بزمِ رضا۔ بھیونڈی۔ تھانہ

اس دور میں جو کام درجنوں شیخ طریقت مل کر نہیں کر سکتے وہ کام آپ اپنے چند رفقاء کے ساتھ کر رہے ہیں۔ الحمدللہ "افکار رضا" اردو اور انگریزی فقیر کے پابندی سے مطالعہ میں آرہا ہے۔ مقالات کی جامعیت اور حسنِ ترتیب سے آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے کہ روز بروز پرچہ کی جامعیت و ضخامت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ "افکار رضا" اور "پیغام رضا" کی اشاعت وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ ہم آپ کی بے لوث خدمات سے بہت مطمئن ہیں۔ ربِ قدیر اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کے جذبوں کو سلامت رکھے اور زیادہ سے زیادہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی خدمت کی توفیق دے۔ آمین

یہ جان کر آپ کو اور قارئینِ افکار رضا کو مسرت ہوگی کہ مرکزی بزمِ رضا بھیونڈی کی جانب سے حضرت علامہ حشمت علی بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر "توضیح البیان فی تفسیر کنزالایمان" کے نام سے بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔ جو کہ عرصۂ دراز سے نایاب ہے۔

○ مولانا ملک الظفر۔ ایڈیٹر سہ ماہی الکوثر۔ سہسرام۔ بہار

سہ ماہی "افکار رضا" خنکیٔ نگاہ ہوا۔ بین الاقوامی سطح پر فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی حیات و خدمات کو متعارف کرانے کے سلسلے میں آپ نے جو اقدام فرمایا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قابلِ صد تحسین و مبارک باد ہے بلکہ

قابل تقلید نمونہ عمل بھی۔ رب قدیر آپ کے حوصلوں کو تازہ دم رکھے تاکہ قوم کو اس طرح کے تعارفی لٹریچر دستیاب ہوتے رہیں۔

سنی رسائل و جرائد کی گھسی پٹی ڈگر سے ہٹ کر آپ نے ایک شاندار اور معیاری صحافت کا نمونہ پیش فرمایا ہے۔ آج تحقیق کا دور ہے استدلالی قوتوں کا زور ہے ایسے دور میں صرف یہ کہہ کر گزر جانا کہ فاضلِ بریلوی کی ذات ایک عبقری تھی 'وہ ہمہ جہت تھے' 'وہ انقلاب آفریں تھے' یہ صرف دعوے ہی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کی تحریریں تحقیقی مزاج کو اپیل کرنے میں کوئی موثر رول ادا کرنے سے قطعی عاجز و قاصر ہیں' آپ نے تحقیقی مزاج کے مضامین کو اولیت دی ہے یہ ایک نیک اور مستحسن امر ہے۔ ادارہ الکوثر کے تمام اراکین کی جانب سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ عرسِ رضوی کے موقع پر ادارہ الکوثر فاضل بریلوی کی حیات و خدمات کے تعلق سے ایک خصوصی گوشہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ برصغیر کے صاحب تحقیق و قلم سے روابط جاری ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے تعاون کے ساتھ ساتھ مفید اور معلوماتی مشوروں کا منتظر رہوں گا۔

○ محمد اعجاز۔ اپلا۔ کاسر گوڈ۔ کیرالہ

ملت کے عظیم محسن و پاسبان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ماضی میں اور اب بھی کچھ نادان لوگوں نے فاضل بریلوی کی شخصیت کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنانے کی ناکام و ناتمام کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ عزت بخشے بھلا اسے کون ذلیل و رسوا کر سکتا ہے۔ ہم نے شروع میں یہی سنا تھا کہ یہ بریلوی فرقہ کے بانی ہیں اور ان کے متبعین قبر پرست ہیں۔ آخر رات کی یہ تاریکی کب تک رہتی جب ظلمت کا پردہ چاک کرتے ہوئے سورج اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ ضیاء بار ہوا تو تائید غیبی کے طور پر ایک مہربان نے ہماری رہنمائی فرمائی اور اعلیٰحضرت سے متعلق چند کتابیں مجھے ملیں۔ جن کے مطالعہ سے مجھے پتہ چلا کہ یہ ساری باتیں بغض و عناد کے آئینے میں صرف ہمیں گمراہ کرنے کے لیے کہی گئی تھیں۔ کتاب پڑھنے سے معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی ناموسِ رسالت کے عظیم پاسبان اور عشقِ رسول سے سرشار تھے۔ کیرالہ کے میرے ایک دوست نے بتایا کہ جب اس نے الجامعۃ الاشرفیہ 'مبارکپور میں داخلے کیلئے یوپی جانے کا ارادہ کیا تو اپنے استاد سے اجازت چاہی تو انھوں نے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ اس نے جواب دیا۔ "الجامعۃ الاشرفیہ جاؤں گا۔" یہ سنتے ہی استاد گویا ہوئے۔ "ارے وہاں مت جاؤ وہ تو بریلوی قبر پرستوں کا مدرسہ ہے۔" دوست نے جب یہ باتیں سنائیں تو مجھے بہت افسوس ہوا اور میرا دل بہت مغموم ہوا۔ لاعلمی اور مخالفین کے غلط پروپیگنڈے و افتراء سے متاثر ہونے کی وجہ سے استاذ نے ایسی بات کہی تھی۔ یہ حضرت کوئی غیر نہیں تھے بلکہ اپنے ہی مدرسۂ اہلسنت کے وہ ایک عمدہ قابل قدر استاذ تھے۔ ایک دوسرے لڑکے نے بھی یہی داستان دہرائی تھی۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ اگر اعلیٰحضرت کی شخصیت سے متعلق کوئی کتاب عربی یا انگریزی میں مل جاتی تو ان جیسے حضرات کے غلط اوہام کا ازالہ کیا جاسکتا ہے

افسوس کہ آج ہم اپنے ذاتی اختلافات کے موضوع پر بے شمار توانائیاں صرف کرتے ہیں لیکن اپنے اس پیشوائے محترم کی حیات و خدمات پر تعارفی عمل کیلئے کچھ کم ہی کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ جس کے ہم پر عظیم احسانات ہیں۔ اردو میں بے شمار تالیف و تصنیف اعلیحضرت سے متعلق ہیں لیکن جس خطے کی زبان اردو نہیں اور جہاں کے افراد اس کو نہیں جانتے' وہاں ان کی شخصیت سے متعلق ان لوگوں کو کیسے روشناس کرایا جاسکتا ہے۔ صوبۂ کیرالہ اس کی ایک مثال ہے جہاں اردو زبان کا چلن نہیں کے برابر ہے۔ جہاں جانے کے بعد مولانا وارث جمال صاحب کو بھی "وادیٔ نور کا سفر" میں کہنا پڑا۔ "زبان یار من ترکی است و من ترکی نمی دانم"۔ آپ جیسے متحرک و فعال حضرات پر وقت کی یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ۔ امام احمد رضا اور سائنس۔ امام احمد رضا ایک عاشقِ رسول۔ امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات وغیرہ ، جیسے عناوین پر عربی اور انگلش میں رسالے اور کتابچے چھاپے جائیں تاکہ عوام عمومی طور پر اور نوجوان طلبہ خصوصی طور پر فاضل بریلوی کی خدمات و حیات و کارنامے اور ان کے مشن سے واقف ہو سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کے طول و عرض میں سنّیوں کی بہت ساری تحریکیں ہیں مگر اکثر خوابِ غفلت میں ہیں ہر ایک تحریک دوسرے سے متحد رہنے کے بجائے آپس میں دست و گریباں ہیں۔ تحریک کا لائحہ عمل اور اصول و نظریہ ایسا ہونا چاہیے کہ ایک تحریک کی آواز پر ہر صوبۂ ہند کی تحریکیں لبیک کہیں۔

"افکار رضا" میں وادیٔ نور کا سفر اچھا لگا اور مجھے خوشی اس بات پر ہوئی کہ کوئی ایسی تحریک بھی موجود ہے جو مسلک اعلیحضرت کی اشاعت کیلئے دل و جان سے کام میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تحریک کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ :- قصیدہ احمد رضا ---

عالم دین و شریعت کی نگاہ خطا نہیں کر سکتی۔

کاش ان " آنکھ کے اندھے نام نین سکھ " قسم کے لوگوں کو یہ بھی خیال ہوا ہوتا کہ یہ کیسے اشعار ہیں کس کے اشعار ہیں اور کس کی مدح میں کہے گئے ہیں اور کس بے باکی و بے حیائی سے خطاکارانہ اس کی تشریح غلط کی جارہی ہے۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

زروی دوست مراچوں گل مراد شگفت

حوالہ سر دشمن سنگ خارہ کم

قصیدۂ احمد رضا در مدح ام المومنین

از۔ پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برؔق۔ پٹنہ۔ بہار

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زماں
دل شرح آں کند کہ چہ گفت و چہا شنید

مسلمانوں میں بریلوی اور دیوبندی مکتب فکر کی آویزش کوئی نئی چیز نہ رہی۔ آج سے برسوں قبل رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری مد ظلہٗ کی معرکہ آرا سنجیدہ وفکر انگیز حقایق بداماں کتاب "زلزلہ" کی اشاعت نے واقعی ندویوں 'دیوبندیوں 'وہابیوں 'تبلیغیوں وغیرہ کی جماعت میں ایک ہوشربا زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ ان کے اکابر بھی انگشت بدنداں تھے 'اصاغر کو کون پوچھے۔

کافی وقت گذرنے کے بعد اخفائے حقایق کے ساتھ بڑی جرات سے ایک صاحب نے جواباً ایک کتاب "انکشاف" شایع کی مگر ٹائیں ٹائیں فش۔ کچھ دنوں بعد مولوی منظور نعمانی کی سازباز سے منجھلے (مولانا) محمد عارف سنبھلی ندوی نے جو خیر سے استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء 'لکھنو بھی ہیں 'زلزلہ کے جواب میں ایک کتاب "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" شایع کی۔

میں نے ابھی تک یہی سن رکھا تھا کہ ندوۃ العلماء میں زبان و ادب کی تعلیم بہت معیاری ہوتی ہے اور مجھے قدرے حسن ظن بھی تھا لیکن اسی ندوۃ العلماء کے استاذ عارف سنبھلی کی مذکورہ کتاب کو پڑھ کر وہاں کا سارا بھرم جاتا رہا۔ عربی تو عربی ہے حیرت ہے کہ عارف سنبھلی اپنی مادری زبان اردو اور اس کے ادب و شعر فہمی سے بھی کورے نکلے۔

اس کتاب کا ضمیمہ بہ عنوان "بریلوی تکفیری فتنہ۔ مختصر تاریخ و تعارف" بھی موصوف کے عدم واقفیت 'لاعلمی 'نافہمی بلکہ بے شرمی کا قابل عبرت نمونہ ہے۔ مصنف اس کتاب کے صفحہ ۲۳۳ پر "فاحشانہ ذہنیت کا ایک اور انتہائی تکلیف دہ نمونہ" کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"مولوی احمد رضا خاں صاحب شاعر بھی تھے۔ "حدایق بخشش" ان کے کلام کا غالباً سب سے بڑا مجموعہ ہے جو تین حصوں میں ہے 'اس کا تیسرا حصہ مولوی حشمت علی خاں کے چھوٹے بھائی محب الرضا مولوی محبوب علی خاں رضوی لکھنوی نے مرتب کرا کے پہلی دفعہ نابھہ پریس (پنجاب) میں چھپوا کر شایع کیا تھا 'وہی ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ایک قصیدہ ام المومنین سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی ہے۔ اس قصیدے کے دو شعر یہ ہیں (حضرت صدیقہ کی شان میں لکھا ہے)۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار

مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت

کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ وبر

جو شخص سید کائنات امام المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ام المومنین حضرت صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں یہ بازاری زبان استعمال کرتا ہے' اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ذہنیت کس قدر غلیظ ہے اور وہ شرم وحیا کے ایمانی عنصر سے کتنا محروم ہے۔"

(بریلوی فتنہ کا نیا روپ صفحہ ۲۳۳۔۲۳۴)

کہتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی کسی دشمنِ احمد رضا نے محض بدظن کرنے کے لئے یہ دونوں محولہ اشعار اسی اہتمام کے ساتھ سنایا تو مولانا آزاد نے برجستہ کہا تھا کہ :

"میں قیامت تک یقین کرنے کو تیار نہیں کہ مولانا احمد رضا نے یہ اشعار ام المومنین کے لئے کہے ہیں۔"

حیرت ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا استاذ مصنف 'صنف قصیدہ اور اس کے فن سے ایسا کورا ہو کہ کور بھی شرمائے جبکہ قصیدہ خاص عربی ادب کی چیز ہے۔ مگر نہیں! میرا خیال ہے کہ شیطانی علم اور طینت رکھنے والا یہ استاذ مصنف بھی سمجھ رہا تھا (اور خوب جانتا ہے) کہ یہ دو اشعار اس قصیدے میں ضرور ہیں' پر کہاں کے ہیں' قصیدے کے کس جزو کے ہیں اور ان کا کیا محل ومقام ہے' وہ تو محض قارئین کو گمراہ کرنے کے لئے اس نے محولہ بالا اشعار سے پہلے اپنی عبارت میں یہ جملہ لکھ دیا کہ (حضرت صدیقہ کی شان میں لکھا ہے) اور اسے کمانین میں بند کردیا۔ یہ دو بریکیٹ ہی اس کے شریر اور گندی ذہنیت کی چغلی کھاتے ہیں کہ قصیدہ ضرور حضرت صدیقہ کی شان میں ہے مگر یہ دو شعر یقیناً ان کے لئے نہیں کہے گئے ہیں۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کا "جلیل القدر عالم" عدیم المثال صحافی "اور" عظیم المرتبت شاعر" جو آل انڈیا مشاعرے کے اسٹیج پر ہی ہوٹینگ کی تاب نہ لاکر دم توڑ گیا' وہ بھی ان اشعار پر اسی انداز میں تبصرہ کرتا ہے اور یہ زحمت گوارا نہیں کرتا کہ قصیدے کو بغور پڑھ کے اپنے قلب وذہن کی جلا تو کرلے۔

دو صفحات میں عامر عثمانی آنجہانی ان اشعار پر نہایت عریاں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"اپنی ماں کو کوئی شخص واقعتہً بھی چست ٹیڈی لباس میں دیکھے تو اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس کے نسوانی اعضاء اور شباب اور سینہ وبر کا قصیدہ شروع کردے گا لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ماں سامنے بھی نہیں ہے۔ بیٹا' احمد رضا خاں آپ کے آپ بذریعہ تخیل اسے ٹیڈی لباس پہنا کر نعوذ باللہ من ذالک چٹخارے لے رہا ہے............" (کتاب ہذا صفحہ ۲۴۰)

واہ رے عالم' صحافی اور شاعر! کہاں تو زلزلہ کی صداقت آفرینی وحق بیانی سے متاثر ہوکے بے باک

تبصرہ لکھنے پر مجبور ہو گیا اور کہاں تو ندویوں، دیوبندیوں کے لعن طعن سے ڈر کر کتاب زیر بحث اور اس کے ضمیمہ پر حقایق سے صریحاً چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی کم نظری و بے بصری کا کھلا ثبوت دینے لگا۔ فوا حسرتا!

صنف قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں "تشبیب" پہلا اور اہم جزو ہے، یہ گویا قصیدے کا چہرہ ہوتا ہے۔ فنکار شعراء اپنے قصیدوں میں تشبیب پر پورا زور صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ تشبیب کی کئی نوعیتیں ہو سکتی ہیں مثلاً صوفیانہ، حکیمانہ، فلسفیانہ مگر اصلاً اور بیشتر تشبیب عاشقانہ اور بہاریہ ہی ہوتی ہے۔ ادیب شہیر ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ اپنی مشہور کتاب "اردو میں قصیدہ نگاری" میں لکھتے ہیں:

"بزرگانِ دین کی مدح میں رندانہ اور عاشقانہ تشبیبیں مفقود نہیں ہیں۔ عربی میں قصیدہ بانت سعاد اس کی مثال ہے۔ اردو میں سوداؔ نے قصیدہ در منقبت حضرت فاطمۃ الزہرا میں عاشقانہ تشبیب روا رکھی ہے۔ مومنؔ (اہل حدیث) نے کئی قصیدوں کی تشبیب میں عاشقانہ اور رندانہ اشعار کہے ہیں۔ جلالؔ لکھنوی نے قصیدہ در منقبت امام زماں صاحب الامر میں عاشقانہ اور رندانہ تشبیب لکھی ہے۔" (صفحہ ۱۴)

قصیدہ میں تشبیب کے بعد مدح شروع ہوتی ہے اور ان دونوں اجزائے قصیدہ کے درمیان ربط نازک کو گریز کہتے ہیں۔ ڈاکٹر سحرؔ لکھتے ہیں:

"تشبیب کے بعد شاعر کسی تقریب سے ممدوح کا ذکر چھیڑتا ہے اس کو گریز کہتے ہیں...... تشبیب کا سب سے بڑا حسن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تشبیب کہتے کہتے شاعر مدح کی طرف اس طرح گھوم جائے جیسے بات میں بات پیدا ہو گئی ہو۔ گریز کی یہی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ قصیدے کا مہتم بالشان حصہ اور شاعر کے کمال کا معیار سمجھا جاتا ہے۔"

قصیدے میں مدح سے پہلے تشبیب کا میدان کھلا ہے جس میں شاعر اپنی طباعی، بلند پروازی، مضمون آفرینی اور فنکارانہ صلاحیتوں سے ایک تمہید پیش کرتا ہے اور فکر و فن کی جولانی کو ایک نازک اور فطری موڑ دے کر مدح و ستایش ممدوح کی طرف رخ کرتا ہے، یہی گریز ہے۔

فن قصیدہ نگاری عربی سے فارسی میں اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔ فارسی قصیدہ گویوں نے بھی اس روش کو قایم رکھا اور وہیں سے اردو میں مستعار ہوئی۔ عرفیؔ شیرازی اپنے مشہور قصیدہ "عمان الجواہر در نعت حضرت رسول" میں رقم طراز ہے۔

سنبل می زند چوگان زلفی لیلی ثجلت
که نافِ آهوی چیں می تراشد گوی میدانش
سماع آموز آں مجنوں که در هنگامهٔ هستی
برنگ شعله دارد جنبش با طبع رقصانش
هنوش آں می که گر بر صورت شیریں بر افشانی

برون آرد ز قیدی بی ستوں سرمست در قصانش

بیدکی می گر تخمت و گر شیرین بدست آور

مبترک دین و دل بخش کن بشمار او ز انش

ایک دوسرے قصیدۂ نعتیہ میں جس کا مطلع ہے۔

سپیدہ دم کہ زدم آستیں بشمع شعور

شنیدم آیت لا تقنطوا ز عالم نور

تشبیب کے یہ اشعار نظر آرہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

اگر بچشمۂ مقصود دست عشوۂ ما	شکست ساغر امید را بسنگ فتور
بیا بنوش کہ در مستیت شہید کنم	کہ نیست قابل رحمت شہادت مستور
چو عشق تو ہمہ بینائی است شاہد وصل	چو حسن با ہمہ آرایش است جلوہ سور

اسی طرح قصیدۂ "ترجمۃ الشوق در ستایش مولای متقیاں علی علیہ السلام" جس کا مطلع ہے۔

جہاں بجستم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار

نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

کی طویل تشبیب عاشقانہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔

کاش عارف سنبھلی کو شعر و ادب کا کچھ عرفان ہوتا اور عامر عثمانی کے بند ذہن پر تجلی عرفان کی کوئی کرن پڑی ہوتی تو یہ ہفوات ان کے قلم سے سرزد نہ ہوتیں۔

اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے مذکورہ قصیدہ در شان ام المومنین میں شعر و ادب کا جو معیار پیش ہوا ہے اور بہاریہ تشبیب میں شاندار مناظر چمنی کو جو تشخص عطا کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تشبیب قصیدہ میں حضرت ممدوح کی نسبت سے تو عروسان چمن کو پردہ داری کی تلقین کی گئی ہے اور چشم تماشائی کو نامحرموں پر نظر ڈالنے سے روکا گیا ہے۔

قصیدہ کی تقریب میں دکھایا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت میں داخل ہو رہی ہیں 'فردوس سراپا بہار ہے' تو نہالان چمن دیدار کے لئے جامہ سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ عروسانِ چمن شوقِ لقا کے جذبۂ فراواں میں پردہ کا لحاظ نہ رکھ سکیں۔ اس لئے عنادل و کواکب سب کو آنکھیں بند کر لینے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

آج فردوس میں کس کان حیا کا ہے گذر	حکم ہے سبزۂ بیگانہ کو باہر باہر
مردم دیدہ نظر بند ہیں 'اب لے کے عصا	پہرہ دیتا رہے دنبالۂ سرمہ در پر
نہ اٹھے آنکھ رہے اپنی طرف آج نگاہ	ہے یہ خودبینی خدابینی کی جانب منجر

بخیہ تارنگہ و سوزنِ مژگاں سے کرے ۔۔۔ آج آنکھوں میں ہر اک بلبلِ بے باک نظر
نیل ڈھل جائے گا آنکھوں کا فلک یاد رہے ۔۔۔ وا اگر یوں ہی رہی آج بھی چشمِ اختر
آنکھیں ہو جائیں گی اے ماہ جہاندیدہ سپید ۔۔۔ چشم بد دور ہوا تو بھی بہت شوخ نظر
گرچہ دستِ ہوسِ دہر سے دامن ہے بری ۔۔۔ مگر آوارہ بہ ہرجاہے عروسِ خاور
چلمنیں چھوڑ دو، پلکوں کی چکیں ڈال دو جلد ۔۔۔ کہہ دو مردم کو کہ دامانِ نگہ لیں منہ پر
پتلی اندھا نہ بنا سب ہیں فلک سے شفاف ۔۔۔ سات پردے ہیں نمایش کے زحل سال تجھ پر
روشیں آئینہ چرخ آئینہ پر تو کا ہجوم ۔۔۔ سراشجار شجر ہیں تہہ اشجار شجر
غمِ صیاد سے فارغ ہیں عنادل کہ یہاں ۔۔۔ سب زمیں آئینہ ہے دام چھپے گا کیونکر
عکس باہم سے عجب لطف صفانے بخشا ۔۔۔ سبز ہیں لالہ و گل سبزہ و اوراق احمر
یہ بنا تختِ زمرد وہ بنا افسرِ لعل ۔۔۔ واہ کیا سبزہ و گل نے ہیں دکھائے جوہر
تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار ۔۔۔ مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت ۔۔۔ کہ ہوئے جاتے ہیں جامے سے بروں سینہ و بر
شوخ دیدہ کو رکھیں اہلِ چمن آنکھوں میں ۔۔۔ نرگس از بس ہے پریشاں نظری کی خوگر
داغ حرماں کا کوئی چاند سا ٹکڑا شاکی ۔۔۔ مصلحت تھی کہ توجہ نہ ہوئی ان کو ادھر
رنگِ عشرت سے کسی کل نہ بکھرتا جوبن ۔۔۔ خارِ حسرت سے کسی پھول کا پہلو مضطر

الغرض تشبیب کے ان اشعار میں جنت کی آرایش و زیبایش اور فردوس کے بہاریہ مناظر پیش ہوئے ہیں اور اس کے بعد گریز ہے اور پھر آغاز مدح ام المومنین حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ غور فرمایئے تشبیب کے ان دو اشعار کو جو سبزہ و گل کی منظر کشی میں ہیں کس چالاکی' بدنیتی اور بے باکی سے حضرت ام المومنین کی شان میں کہا ہوا لکھ دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس بہاریہ تشبیب کا گریز ملاحظہ ہو:

خامہ کس مقصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہنچا ۔۔۔ راہ نزدیک ہے ہو جانب تشبیب سفر
تھیں جو بے پردہ عنادل میں عروسانِ چمن ۔۔۔ شرم سے لیتی ہیں دامانِ حباب منہ پر
خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی ۔۔۔ کہ چلا آتا ہے حسن ابلہ کی صورت بڑھ کر
خاک اڑاتی ہوئی آوارہ بہ ہر دشت و چمن ۔۔۔ اب حضوری کی ہوا سر میں ہے اے بادِ سحر
خدمتِ گشت معاف آج رہے گوشہ نشیں ۔۔۔ حکمِ سرکار ہے او بندۂ داغی قمر
حورِ رویت کے لئے شوق سے آنکھیں دھولیں ۔۔۔ اس سرکار کی مملوک ہے حوضِ کوثر

پھر گریز کے بعد مقصود کی ابتدا کی گئی ہے:

ہیں کہاں مانتیں سرکار کی عفت حرمت ۔۔۔ کبدو مجرے کو بڑھیں پھولوں کا گہنا لے کر

چمن قدس کے بیلے کا جبیں پر چھپکا — صحن اقرب کی چنبیلی سے گلے کا زیور
باغ تطہیر کی کلیوں سے بنائیں کنگن — آیۂ نور کا ماتھے پہ منور جھومر
تن اقدس پہ لباس آیۂ تطہیر کا ہو — سورۂ نور ہو سر پر گہر آمان معجز
یا حمیرا کا تن پاک پہ گلگوں جوڑا — کلمنی کے در آویزۂ گوش اطہر
بانوا تیرا سرا پردۂ عفت وہ رفیع — جس میں بے اذن نہ ہو روح قدس کو بھی گذر
کوئی خاتون تیری طرح کہاں سے لائے — باپ صدیق سا اور ختم رسل سا شوہر
بس کہ جز حضرت شہ دل میں نہیں اور کی جا — شاہزادوں سے بھی خالی ہے کنار اطہر
جبرئیل اور تجھے تسلیم بایں قدر جلیل — وزراء مجرئی بانوے سلطان ہیں مگر
تیرے جلوے سے رہی سندافتا روشن — عہد صدیق سے تادور جناب حیدر

مقصود یعنی مدح کے ان اشعار کو پڑھ کر کوئی عقل کا اندھا ہی تشبیب کے مذکورہ دو شعر کو ام المومنین سے نسبت دے سکتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

ان اشعار کے بعد حضرت ممدوح سے کدورت رکھنے والوں کو خدا کے عتاب وعذاب سے ڈراتے ہوئے اپنے لئے سعادت طلب کی گئی ہے اور ان اشعار پر قصیدہ کا اختتام کر دیا گیا ہے۔

غم رسائی ہے جب ان ماؤں کی خار رہ خلد — وائے اس پر کہ غمیں جس سے ہے تجھ سی مادر
عاق وہ ناخلف و کور ہو وہ ناحق کوش — تجھ سے جو دل میں رکھے سوء عقیدت تل بھر
سورۂ نور نے منہ کالے کئے اعداء کے — لعنۃ اللہ علیٰ کلّ شقیٍ ابتر

گو سیہ کار ہے لیکن کلمہ سے ہے امید
تیرے بیٹوں میں گنا جائے یہ ننگ مادر

مدحیہ اشعار سے مقدم گریز کے اشعار صاف طور سے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ متنازعہ فیہ اشعار تشبیب میں شامل اور ام المومنین کی براہ راست مدحت سے خارج ہیں۔ تشبیب کے ان اشعار میں جنت کی بہاروں کی منظر کشی کی گئی ہے اور اس کے غنچہ وگل کی ہیئت و کیفیت کے بیان میں داد سخن دی گئی ہے۔ کس طرح قصیدہ گو فنکار غیر مرئی اور غیر حسی باتوں کو حسی بنا کے' جذبات خوشی و غم کو مجسم تصور کر کے انہیں شاعرانہ حسن عطا کرتے ہیں۔ اسے اعلیٰ شعری و ادبی ذوق والے ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ کاش یہ لطیف حس کور چشم معاندین کو نصیب ہوتی۔

قصیدہ دراصل فن شاعری میں انتہائی مشکل' ادق اور مہتم بالشان صنف ہے۔ یہ سطحی علم والوں کی دسترس سے بہت دور کی چیز ہے۔ نازک و لطیف تشبیہات' صنائع لفظی و معنوی' علمی و فنی اصطلاحات' عمدہ تلمیحات' پاکیزہ خیالات' قصاید نعت و منقبت میں سطحیت و سقم و ابتذال سے احتیاط' یہ وہ نکتے ہیں جن سے ایک

باقی صفحہ ۱۳

وہ سُن جسے سُن کر تو ہو جائے سُن

از:۔ محمد ادریس رضوی۔ ایم اے، کلیان

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

مجدد دین وملت حضرت علامہ احمد رضا قدس سرہ العزیز کے اس شعر پر جتنے منہ اتنی باتیں ہوتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ امام احمد رضا کا عشق ہے کہ آپ نے اللہ جل شانہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مالک کہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ نے مبالغہ اور غلو سے کام لیا ہے۔ کسی جانب سے ندا ہوتی ہے کہ آپ نے جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس کوئی صدا لگاتا ہے کہ یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ اس کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ "میں تو مالک ہی کہوں گا" سے مراد مالک مجازی ہے لیکن حتبازر کی تردید ہوتی ہے کہ نہیں رسول کائنات کو "مالک" کہنا مالک حقیقی کے درجہ پر پہنچانا ہے اور اس اندھیر نگری چوپٹ راج میں چھوٹا منہ بڑی باتیں بھی ہوتی ہیں کہ بعض نام نہاد خود ساختہ ادیب جو قرآن وحدیث کے جاننے اور سمجھنے سے عاجز اور عاری صرف ادب برائے ادب تک ہی محدود ہیں وہ بھی مذکورہ شعر کی غلط تشریح کر کے واہ واہی کی داد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جن کی نگاہ حقیقت کو پاچکی ہے مگر امام احمد رضا سے حسد کرتے ہیں وہ اول جول بکتے، لکھتے اور حقائق بتانے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مالک ہونے کے ثبوت میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف "الامن والعلیٰ" میں متعدد حوالے نقل کئے ہیں ان میں سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ "از زبور مقدس نیز تحفہ میں زبور شریف سے منقول روایت عربی عبارت کے نقل کے ساتھ ترجمہ بھی تحریر کردیا ہے۔ یہاں ترجمہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ترجمہ۔ اے احمد رحمت نے جوش مارا تیرے لبوں پر میں اس لئے تجھے برکت دیتا ہوں تو اپنی تلوار حمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف غالب ہے۔ سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی۔ سچی کتاب لایا اللہ برکت وپاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے بھر گئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے احمد پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مملوکو خوشی وشادمانی ہے۔ تمہارے لئے تمہارا مالک پیارا سراپا کرم سراپا رحمت ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

عہد بلبل شیریں دہناں بست خدائے ۔۔۔ باہمہ بندہ ؤ اں قوم خداوند انند

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا۔(۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مالک" کہنا نئی اور امام احمد رضا قدس سرہ کی اختراع نہیں ہے بلکہ مالک نہ ماننا نئے طرز کی بولی ہے۔ علمائے سلف نے حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کہا ہے اور تحریر کیا ہے کہ جو شخص حضور سید العالمین کو اپنا مالک نہیں جانے گا وہ سنت کی حلاوت نہیں پائے گا۔ حضرت امام اجل عارف باللہ سیدی سہل بن عبد اللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر امام اجل قاضی عیاض شفا شریف پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں نقلاً و تذکیراً پھر علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض پھر علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب میں شرحاً و تفسیراً فرماتے ہیں "من لم یر ولایة الرسول علیه فی جمیع احواله ولم یر نفسه فی ملکه لا یذوق حلاوة سنته" جو ہر حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ (۲)

مولویوں کی ایک جماعت کی تحریروں میں تضادات اس قدر سر ٹکرا رہے ہیں کہ ان کے ماننے والے غور و فکر سے کام لیں تو وہ سوچنے کیلئے مجبور ہو جائیں گے کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط، کس پر عمل کیا جائے اور کس پر نہیں۔ ایسے حماشا کے گرد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے قرآن و احادیث اور اقوال ائمہ کے نقلی دلائل سے اس قدر محکم دیوار قائم فرمادی ہے کہ وہ ٹک ٹک دیدم۔ دم نہ کشیدم کی تصویر بن گئے ہیں۔ اقتباس ۲ کے بعد حضرت علامہ احمد رضا مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی تضاد بیانی کیلئے تنقید کا اسلوب اپناتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

امام احمد رضا کا تنقیدی اسلوب

فائدہ عظیمہ الحمد للہ سنیوں کی اقبالی ڈگری۔ ان آیات تورات و زبور پر فقیر اعلحضرت غفر اللہ تعالیٰ لہ کو دو آیت توریت و انجیل مبارک مع چند احادیث یاد آئیں مگر ان کے ذکر سے پہلے امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کا ایک انجان پنے کا اقرار سن لیجئے تقویۃ الایمان فصل ثانی اشراک فی العلم کے شروع میں لکھا "جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے" انتہی۔ بھولا نادان لکھنے کو لکھ گیا مگر

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا

دین نجدی پائمالِ سنیاں ہو جائے گا

غریب مسکین کیا جانتا تھا کہ وہ تو چند ورق بعد یہ کہنے کو ہے کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

یہاں اس کے قول سے تمام عالم پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اختیار تام ثابت ہو جائے گا۔ بے چارے مسکین عزیز کے دھیان میں اس وقت بھی یہی لوہے پیتل کی کنجیاں تھیں جو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بساطی پیسے پیسے بیچتے اس کی خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رب جل وعلا نے اس بادشاہ جبار جلیل الاقتدار عظیم الاختیار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا کیا کنجیاں عطا فرمائی ہیں ہاں ہم سے سن لو روہ سن کہ سُن ہو جا۔ ۳

اعلیٰحضرت کیا سُنا رہے ہیں

اعلحضرت عظیم البرکت وہی ذکر جمیل سنا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کر دیا ہے یعنی کنجیاں ؟ کن چیزوں کی کنجیاں ؟ ساری دنیا کی۔ تمام خزانے کی۔ ہر چیز کی۔ نصرت کی۔ نفع کی۔ نبوت کی۔ جنت کی۔ نار کی، ان ساری چیزوں کی کنجیاں جن کو ملیں وہ یقیناً لاریب مالک ہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بتایا کہ اللہ رب العالمین نے مجھ کو فلاں فلاں چیزوں کی کنجیاں عطا کی ہے۔ اس جاں فزا مژدہ کو عام کرنے والوں میں صحابہ کرام کی عظیم ہستیاں شامل ہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا المتوفی ۵۷ھ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا المتوفی ۳۰ھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۷ھ حضرت سیدنا علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ شہادت ۴۰ھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے آخری صحابی وفات ۷۴ھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصال ۷۳ھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما وفات ۳۲ھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وفات ۶۸ھ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ (۴)

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب کیا مالک و مختار بنایا

ان عظیم المرتبت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن جیسے راویین کی روایات کو جن ائمہ کرام وعلمائے عظام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۵۶ھ نے بخاری شریف میں

(۲) حضرت ابوالحسین مسلم ابن حجاز نیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ نے مسلم شریف میں

(۳) حضرت امام احمد ابن محمد ابن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے مسند احمد بن حنبل میں

(۴) حضرت امام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن افضل المتوفی ۲۵۰ھ نے دارمی شریف میں

(۵) حضرت امام ابوبکر احمد ابن حسین المتوفی ۴۵۸ھ نے بیہقی شریف اور دلائل النبوۃ میں (۵)

(۶)امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں

(۷)طبرانی نے معجم کبیر میں (۸)ابن حبان نے اپنی صحیح میں (۹)ضیائی مقدس نے صحیح مختارہ میں (۱۰) حافظ ابوزکریا یحییٰ بن عائذ نے اپنے مولد میں (۱۱)امام محمد ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں (۱۲)ابن عبدربہ بجتہ المجالس میں (۱۳)علامہ مدلجی نے شرح فتح المبین میں (۱۴)امام حاکم نیشاپوری نے حاکم میں (۱۵)حافظ ابوسعید عبدالملک بن عثمٰن نے شرف النبوۃ میں (۱۶)ابوبکر شافعی نے غیلانیات میں (۱۷)امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں (۱۸)مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں (۶) لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین اور آسمان کی کنجیاں عطا کی ہے تو اب حضور پُر نور مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک ماننے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ تیرہ سو سال سے لوگ اسی عقیدے پر جمے ہوئے تھے۔ چودھویں صدی میں اسے منقطع کر کے الٹی گنگا بہانے کی روش قائم ہوئی اور انتشار کا دروازہ کھولا گیا تو دین وملت کا پاسبان، حق کا پیام بر، ائمہ وفقہا کی نقل وعقل کی راہ چلنے والا مجدد وقت اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے میدان میں اتر کر حق کا صور پھونک دیا اور باطل نظریات وخیالات سے مخاطب ہو کر کہا:

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گرائے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

حق کی راہوں پر پڑے کانٹوں کو چن کر صاف کرنے اور ان راہوں پر لوگوں کو بلانے والے کی پیاری صداؤں نداؤں اور ندرت بھرے بولوں پر شرک کا ہوا کھڑا کرنے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس فتویٰ کی روشنی میں ان کے اگلوں کی بھی قبائیں تار تار ہو جائیں گی۔ چاہ کن را چاہ در پیش کی فکر سے آزاد تھے ورنہ "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" کی صدا پر شرک کا فتویٰ جڑنے سے قبل مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں قصیدہ کے اس شعر کو پڑھ کر

خدا ان کا مربی ، وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا ، میرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

مولوی محمود حسن کو مشرک بتاتے لیکن انصاف کا خون کرنا تھا اس لئے واحد العین بن گئے۔ مالک، مولا، ہادی یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور بقول زید وعمرو کے غیر اللہ کے لئے بولنا روا نہیں ہے تو امام احمد رضا کے علاوہ اوروں کا دامن کیوں نہیں پکڑتے ہیں؟

حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے عزیز مصر کو رب کہا

عزیز مصر کی بیوی نے محل کے تمام دروازے مقفل کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ارادے کی دعوت دی تو حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا " قال معاذالله انه ربی احسن مثوای " ترجمہ :۔ کہا اللہ کی پناہ وہ عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا (کنزالایمان)۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ ترجمہ ہے کہ "خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے اس نے مجھ کو"

حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے قید خانہ کے اپنے دو ساتھیوں کو خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا: یصاحبی السجن اما احد کمافیسقی ربه خمر " ترجمہ :۔ اے زنداں کے ساتھیوں تم میں ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں قیدیوں سے مزید فرمایا کہ عزیز مصر سے میرا حال بیان کرنا کہ قید خانہ میں ایک مظلوم بے گناہ قیدی ہے اور اس کو وہاں رہتے ہوئے زمانہ گذر چکا ہے اس بات کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح ہے۔ " وقال للذی ظن انه ناجٍ منهما اذکر فی عند ربك " ترجمہ ۔ اور یوسف نے ان دونوں میں سے جسے بچتا سمجھا اس سے کہا اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا" لیکن" فانسه الشیطٰن ذکر ربه فلبث " ترجمہ : تو شیطان نے اسے بھلادیا کہ اپنے رب کے سامنے یوسف کا ذکر کرے"

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے خواب کی تعبیر بتادی تو بادشاہ نے آپ کے پاس آزادی کا پروانہ بھیجا۔ آپ نے " قال ارجع الیٰ ربك فسئله مابال النسوة التی قطعن ایدیهن " کہا اپنے رب (بادشاہ) کے پاس پلٹ جا پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔

قرآن مقدس کی آیات کے ان اجزاء پر اعلحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے : کہ اللہ بادشاہ وغیرہ کو تو مجازی پرورش کے باعث اس کا رب، تیرا رب، میرا رب کہنا صحیح ہو۔ یہ اللہ فرمائے اور اس کا رسول فرمائے اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلا کہنا شرک (۷)

مشکوۃ المصابیح میں ہے " وعن کعب یحکی عن التورۃ قال نجد مکتوباً محمد رسول الله عبدالمختار " حکیم الامت علامہ احمد یار خاں نعیمی نے مرآت المناجیح میں مختار کے معنی اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " مختار کے معنی پسندیدہ بھی ہیں اور اختیار والا بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معنی سے مختار ہیں۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کا مالک کیا۔ مختار کیا۔ مختار تو توریت میں بھی آپ کو کہا گیا ہے۔ (۸)

ملک و مختار کے وزراء :

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے کوئی نبی مگر اس طرح کہ ان کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو زمین والوں میں سے مگر ہمارے آسمانی دو وزیر جبریل اور میکائیل ہیں اور ہمارے زمین والوں میں سے دو وزیر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (۹)

تشریح۔ حضور آسمانوں کے بھی بادشاہ ہیں اور زمین کے بھی۔ آسمانی سلطنت کا انتظام حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وہاں نافذ کرتے ہیں۔ ترتیب ذکری سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت جبریل درجہ میں جناب میکائیل سے بہت بڑے ہیں کہ ان کا ذکر پہلے فرمایا۔ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے (۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلطنت زمین میں بھی ہے آسمان میں بھی ورنہ دونوں جگہ وزیر ہونے کے کیا معنی بلکہ حضور عالمین کے سلطان، بادشاہ اور نبی ہیں لیکون للعلمین نذیرا۔ (۲) حضرت ابو بکر جناب عمر فاروق سے افضل ہیں کہ پہلے ان کا نام شریف ارشاد ہوا بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (۳) وزارت صدیقی و فاروقی افضل و اعلیٰ ہے۔ وزارت جبریل و میکائیل سے کہ حضرت صدیق و فاروق پایۂ تخت کے وزیر ہیں۔ ہر دم حضور کے ساتھ رہنے والے۔ زمین تمام انبیاء خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پایۂ تخت ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ (۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے مالک ہیں قرآن حکیم کا ارشاد ہے "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم" ترجمہ: یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے (کنزالایمان)

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس آیت کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ "نبی نائب ہے اللہ کا اپنے جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا، اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنی روا نہیں اور نبی حکم کرے تو فرض ہے" (۱۱) فیروز اللغات میں نائب کے معانی۔ ماتحت۔ مددگار، قائم مقام، مختار، وکیل، سفیر لکھا ہے اور اسمٰعیل دہلوی نے لکھا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہے۔ قرآن واحادیث کے فرمان، باطنی اذہان اور ان کے پیروکاروں کی اختراع، وانشاء املا ئیہ کرنے کے بعد ان پر اعلیٰحضرت کی ضرب شدید دیکھئے "ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو ایک اللہ کا نائب ہی کہنے میں سب پٹ آ گیا اللہ کا نائب ایسا ہی تو چاہئے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں؟ ایک دنیا کے کتے کا نائب کہیں کا صوبہ دار اس کی طرف سے وہاں کے سیاہ و سپید کا مختار ہوتا ہے مگر اللہ کا نائب کسی پتھر کا نائب ہے؟ "وما قدروا الله حق قدره" بے دولتوں نے اللہ ہی کی قدر نہ جانی لاواللہ اللہ کا نائب اللہ کی طرف سے اللہ کے ملک میں تصرف تام کا اختیار رکھتا ہے جب تو اللہ کا نائب کہلایا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (۱۲)

آخری بات

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ العزیز متولد ۶۶۱ ھ متوفی ۷۸۲ ھ کی تصنیف "مکتوباتِ صدی" کی عظمت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ اس بیش بہا خزانہ کے تعلق سے مولوی سید ابوالحسن علی میاں ندوی رقم طراز ہیں "حضرت شیخ شرف الدین (رحمتہ اللہ علیہ) کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جابجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہاسال کی ریاضتوں اور وہبی علوم کا نتیجہ ہیں اور جن کو پڑھ کر وجد و سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی (۱۳)

ل صاحب مکتوبات حضرت یحیٰ منیری علیہ الرحمتہ کی سنئے فرماتے ہیں "سنو، ایک معروف و مشہور بات ہے کہ سرداروں کے یہاں بہت قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ خاص ہیں کچھ عام۔ ایک گروہ کے متعلق حکم رقم کا جاری کرنا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ایک گروہ ان سے اور خاص مرتبہ پر ہوتے ہیں جو زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ مگر دائرہ اس کا محدود ہوتا ہے۔ ایک گروہ خاص کے درجہ میں ہیں ایک گروہ اس سے بھی زیادہ خاص ہیں جو ندیم ہیں اور ایک گروہ ان سے بھی خاص مرتبہ پر فائز ہیں جن سے رازونیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔

ایک گروہ ان سے بھی خاص ہوتے ہیں جو ایسے دوست ہیں کہ ایک مغز دو پوست کا درجہ ہے اپنے سردار دوست کے ملک و ملک میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ دوست کی ملک کو بالکل اپنی ملک جان کر اس میں تصرف کرتے ہیں۔ یہ بات اسی وقت صحیح طور پر پیدا ہوتی ہے اور ایک دوست کی املاک میں دوسرے دوست کو تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ جا و بے جا کام کرنے پر ایک دوست دوسرے دوست کو کسی قسم کا الزام نہ دے۔ چنانچہ شریعت میں بھی اس کی مثال موجود ہے دیکھو باپ کی شفقت و عنایت اپنی اولاد پر بغایت ہوتی ہے۔ اور یہی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر باپ کم سنی میں اپنے لڑکے کا عقد کر دیتا ہے تو بعد بلوغ وہ لڑکا اس عقد سے انکار نہیں کر سکتا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ امر و اذن میں فرق ہے۔ عام اولیا کو امر ہوتا ہے اور خاص کو اذن دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حلتِ اشیاء میں ماذون تھے۔ جس وقت ایک اعرابی نے رمضان شریف کا روزہ افطار کر دیا تھا (تو اس کا فدیہ حسبِ لیاقت اس سے طلب کیا گیا۔ اس نے معذوری ظاہر کی تو آپ نے خود سامان فرمایا اور فقرا کو دینا چاہا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ہم خود ہی سخت حاجتمند ہیں) آپ نے فرمایا" تاكله واطعم عيالك " (تو خود کھا اور اپنے بال بچوں

کو کھلا دے)اور پھر آپ نے فرمایا" یجزی لك ولا یجزی احد بعدك "(تیرے لئے جائز ہے اور تیرے بعد کسی کیلئے جائز نہیں)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رفع شریعت فرمایا لیکن تصحیح شریعت کیلئے عوام کو امر و نہی کی حدود میں رکھا۔ " تاکله واطعم عیالك "یہ حکم آپ نے کیوں دیا؟" اس لئے، تاکہ اپنی اس دوستی اور خصوصیت کو خلق اللہ پر ظاہر کردیں اور ان لوگوں کو دکھادیں کہ ہم ان خواص میں ہیں تصرف کہ دوست کے ملک و ملک میں جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ سب کا سب ہمارا فعل جائز و درست ہی ہوتا ہے۔ (۱۴)

درج بالا الفاظ پر غور کیجئے کہ حضور مفاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم حلت اشیاء میں ماذون تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی گئی تھی کہ حلال کی ہوئی چیزوں میں سے جسے چاہیں حرام کردیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو شخص روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو وہ بدلہ (فدیہ) دیں ایک مسکین کا کھانا" فدیه طعام مسکین "اور اس فدیہ کے مال کو اپنے مصرف میں لینا جائز نہیں ہے لیکن آپ نے اعرابی کو اس کیلئے اسی کا فدیہ حلال کیا اور احکم الحاکمین کے ملک و ملک میں تصرف کرکے اپنے مالک ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس سے متعلق چند اور احادیث ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا اے ایمان والو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا حج کرو۔ حضرت اقرع ابن حابس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہر سال حضور رحمت عالم خاموش رہے یہاں تک کہ حضرت اقرع رضی اللہ عنہ نے تین بار کہا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ (۱۵) دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے مالک ہیں کہ آپ کی ہاں اور نا میں تاثیر ہے اور کیوں نہ ہو کہ وما ینطق عن الھوی کی اعلیٰ منزلت پر فائز تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا "اب ہجرت نہ رہی لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب جہاد کیلئے بلائے جاؤ تو نکل پڑو اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن ہی حرم بنادیا جس دن آسمان و زمین پیدا کئے لہٰذا یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کے حرم فرمانے سے حرام ہے اور مجھ سے پہلے کسی کیلئے اس شہر میں جنگ جائز نہ ہوئی اور مجھے بھی ایک گھڑی دن کیلئے حلال ہوئی چنانچہ اب وہ تا قیامت اللہ کے حرام کئے سے حرام ہے کہ یہاں کے کانٹے نہ توڑے جائیں اور نہ یہاں کا شکار بھڑکایا جائے اور نہ یہاں کی گری چیز اٹھائی جائے ہاں جو اس کا اعلان کرے وہ اٹھالے اور نہ یہاں خشک گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذخر کے سوا کہ وہ تو ہاروں اور یہاں کے گھروں میں کام آتی ہے۔ (حضور نے فرمایا) سوائے اذخر کے۔ (۱۶) غور کیجئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "اذخر" مختلف ضرورتوں میں کام آتی ہے لہٰذا اسے کاٹنا حرام قرار نہ دیجئے بلکہ اس کے کاٹنے کو حلال کردیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جبرئیل کے وحی لانے کا انتظار کرو

یا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اسے کانٹے کو حلال کر دے یا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے تو میں کیسے حلال کر دوں بلکہ فرمایا الا الاذخر۔

(۳) روایت حضرت ابو سلمہ سے ہے کہ حضرت سلمان ابن صخر جنہیں سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا ہے انہوں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پشت کی طرح کر لیا کہ رمضان گذر گیا پھر جب آدھا رمضان گذرا تو ایک رات ان سے صحبت کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کا ذکر حضور سے کیا۔ ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام آزاد کرو عرض کیا میں غلام پاتا نہیں۔ فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو عرض کیا مجھ میں طاقت نہیں۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو۔ عرض کیا ہے نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ ابن عمرو سے فرمایا کہ انہیں یہ ٹوکری دے دو وہ بڑی زنبیل ہے جس میں پندرہ یا سولہ صاع ساتے ہیں تاکہ ساٹھ مسکینوں کو کھلادیں۔ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی۔ (۱۷) فقہ کی اصطلاح میں مرد اپنی بیوی یا بہن یا ان عورتوں سے تشبیہ دے جو شرعاً اس پر حرام ہیں۔ اس کو ظہار کہتے ہیں۔ ظہار میں تیس صاع گندم ساٹھ مسکینوں کو دیا جانے کا حکم ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان ابن صخر کو پندرہ یا سولہ صاع دینے کو کہہ کر ان کو بری کر دیا اس وقت معلوم ہوا کہ کو اللہ نے آپ کو مالک بنا دیا ہے۔

(۴) حضرت عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی بدر کے دن پس فرمایا کہ عثمان اللہ تعالیٰ کے کام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے ہیں ان کی بیعت میں کرتا ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے حصہ مقرر فرمایا ان کے سوا کسی غائب شخص کا حصہ مقرر نہ کیا۔ (۱۸)

حکیم الامت حضرت احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمتہ کا اس حدیث پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر والوں کا صرف ثواب نہ ملا بلکہ غنیمت کا حصہ بھی ملا۔ آپ صرف حکماً غازی بدر نہ ہوئے بلکہ حقیقتاً غازی مانے گئے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں اگر چاہیں تو مدینہ کی زمین کو بدر کا میدان بنا دیں گھر میں رکھ کر غازیوں میں ملا دیں۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حضور کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضور کے کام کے لئے رہے تھے یعنی بی بی رقیہ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری، مگر فرمایا فی حاجتہ اللہ وحاجتہ رسولہ۔ (۱۹)

(۵) ابتدا میں صحابہ کرام کے گھر کے دروازے مسجد نبوی شریف میں کھلتے تھے۔ جس کی وجہ سے گھروں میں آنا جانا مسجد کے راستے سے ہوتا تھا جس سے جنبی، حائضہ اور نفساء کے گذرنے کے خوف سے حضور نے ان دروازوں کو بند کرا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گھروں کو مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ دیکھا آپ نے کہ حضور نے فرمایا

میں حلال نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ حلال و حرام حضور فرماتے ہیں۔ (۲۰)

(۶) حضرت میمونہ بنت حارث یا زینب بنت حزیمہ۔ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم ان میں سے کسی ایک بی بی صاحبہ کا نکاح ایک ایسے صاحب سے کر دیا جن کو مہر کی جگہ صرف قرآن یا قرآن کی سورتیں سکھانا کافی کر دیا۔ (۲۱)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب زبیر اور عبد الرحمن ابن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی ان کی خارش کی وجہ سے۔ (۲۲)

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے سفر کے موقع پر حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ ابن مالک سے فرمایا کہ سراقہ میں تمہارے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھتا ہوں اور جب عہد فاروقی میں فارس فتح ہوا تو کسری کے کنگن سراقہ کو جناب فاروق نے عطا کئے اور حضرت سراقہ نے پہنے۔ (۲۳)

(۹) حضرت ربیعہ ابن کعب فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتا تھا تو میں آپ کے پاس وضو کا پانی اور ضروریات لایا۔ مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لو میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے سوا اور بھی میں نے عرض کیا۔ بس یہی فرمایا اپنی ذات پر زیادہ سجدوں سے میری مدد کرو۔ (۲۴)

(۱۰) حضرت ابی بردہ ابن تیاز کو چھ ماہا بکری کی قربانی کی اجازت دے دی۔ (۲۵)

(۱۱) ایک بار حضرت عقبہ ابن عامر کو بھی ششماہہ بکری کی قربانی جائز فرمادی۔

(۱۲) ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت عمیس کو عدتِ وفات کا سوگ معاف فرمادیا۔

(۱۳) ایک صحابی کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمتِ رضاعت ساقط فرمادی۔

(۱۴) مولی علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرمادیا۔

(۱۵) مخدرات اہلبیت کو بحالت عارضہ ماہانہ مسجد مبارک میں آنا جانا جائز قرار دیا۔

(۱۶) حضرت براء ابن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی۔

(۱۷) حضرت معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرمادیا۔

(۱۸) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عصر کے بعد دو رکعت نفل نماز جائز فرمادی۔

(۱۹) ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا کہ وہ دو وقت کی نماز سے زیادہ نہ پڑھے گا۔ (۲۶)

(۲۰) حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی دو گواہوں کی مثل قرار دی۔

(۲۱) حضرت ام عطیہ کو ایک مرتبہ نوحہ کی اجازت دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی اللہ کے

خزانوں کے مالک ہیں۔ دین و دنیا کی جو نعمت جسے چاہیں عطا کردیں۔ اللہ نے جنت کی زمین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک بنایا ہے آپ جسے چاہیں دیں۔ (۲۷)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تشریحات ائمہ، فقہاو علماء کی روشنی میں مفاتیح عالم صلی اللہ علیہ وسلم باذنِ الٰہی مالک ہیں تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا فرمانا کہ "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" برحق اور احادیث کا ترجمہ ہے۔ لہٰذا مذکورہ شعر پر واویلا مچانا اور شرک کا فتویٰ جڑنا زیادتی ہی نہیں بلکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے، رسول کائنات ﷺ کی ذات مقدس کو سمجھنے اور آپ سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ ثم آمین

- -

ماخذ و مراجع

۱۔ الامن والعلا ص ۹۱۔ ۹۲ از امام احمد رضا قدس سرہ

۲۔ الامن والعلا ص ۹۲۔ از امام احمد رضا قدس سرہ

۳۔ الامن والعلا۔ ص ۹۲۔ ۹۳۔ از امام احمد رضا قدس سرہ

۴۔ نوٹ:۔ تمام اسم شریف "الامن والعلا" کا ص ۹۳ تا ص ۹۹ سے اور تاریخ وصال مرآت المناجیح جلد ۸ حالات صحابہ و تابعین کی فہرست سے ماخوذ ہیں (ادریس)

۵۔ اعلیٰ حضرت نے "الامن والعلا" میں مختصر نام لکھے ہیں مثلاً بیہقی نے "دلائل النبوۃ" وغیرہ۔ راقم نے مصنفوں کے پورے نام اور سن وصال مرآت المناجیح جلد اول کے مقدمہ سے اخذ کیے ہیں۔

۶۔ "الامن والعلا" میں اعلیٰ حضرت نے ص ۹۳ تا ۹۹ پر ان ناموں کے علاوہ اور بھی اسمائے شریف کے حوالے دیئے ہیں۔

۷۔ "الامن والعلا" ص ۹۷۔ ۸۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۸۔ ص ۳۳

۹۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۸۔ ص ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۱۰۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۸ ص ۳۸۸

۱۱۔ برحاشیہ معجز نما حمایل شریف ۱۳۴۲ھ۔ نور محمد مالک۔ کارخانہ تجارت کتب۔ دہلی

۱۲۔ الامن والعلا۔ ص ۹۶

۱۳۔ تاریخ دعوت و عزیمت۔ باب نہم بحوالہ "مکتوبات صدی" دیباچہ طبع ثانی ص ۵۔

۱۴۔ مکتوبات صدی۔ ص ۹۶۔ ترجمہ حضرت شاہ نجم الدین احمد فردوسی و حضرت شاہ الیاس یاس بہاری رحمہما اللہ۔ ۱۵۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۴۔ ص ۸۲۔ ۲۳۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۶

۱۶۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۰۔ ۲۰۱۔

۱۷۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۳

۱۸۔ ایضاح ۵۔ ص ۶۰۱

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۱

۲۱۔ ایضاً۔ ج ۵۔ ص ۶۶

۲۲۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۶۔ ص ۹۸

۲۳۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۸۔ صفحہ ۱۶۶

۲۴۔ مشکوۃ المصابیح۔ جلد ۲۔ ص ۸۴۔ ۲۵۔ مرآت المناجیح۔ جلد ۲۔ ص ۸۳

۲۶۔ ماہنامہ قاری۔ دہلی۔ اپریل ۱۹۸۹ء

۲۷۔ مرقاۃ وغیرہ بحوالہ مرآت المناجیح۔ جلد ۲۔ ص ۸۳۔ ۸۴

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

عہدِ حاضر میں امام احمد رضا کے
اسلامی تعلیمی نکات کی اہمیت

انگریزی مقالہ۔ از۔ ڈاکٹر محمد ہارون ڈائرکٹر رضا اکیڈمی برطانیہ

اردو ترجمہ۔ از۔ محمد اسمٰعیل صاحب برمنگھم (برطانیہ)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹۴ء میں اپنے ایک خطاب میں مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلے میں دس اصلاحی نکات پیش فرمائے تھے جن کا خلاصہ پیش ہے۔

اس مضمون کا مقصد ہے امام احمد رضا کے پیش کردہ نکات کی اہمیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا۔ یہ تعلیمی پالیسی خواہ وہ ہمارے اپنے اداروں کا نظام تعلیم ہو یا دیگر لوگوں کا مقرر کردہ نظام تعلیم ہو، یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ اگرچہ امام احمد رضا نے یہ نکات تقریباً ایک صدی قبل پیش فرمائے تھے لیکن ان کی اہمیت اور افادیت سے آج کے موجودہ نظام تعلیم میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ دس اصلاحی نکات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ تعلیم خواہ انفرادی یا اجتماعی طور پر دی جارہی ہو۔ ہر ایک کا مرکز اسلام ہو۔

۲۔ تعلیمی درسگاہوں سے سچے مسلمان فارغ التحصیل کئے جائیں۔ سائنس بھی علم کا حصہ ہے لیکن کسی بھی طرح کی ایجاد کا علم خالق کے عطا کردہ علوم سے باہر نہ ہو۔ بلکہ ہر علم اسلام کی روشنی میں حاصل کیا جائے۔

۳۔ نظام تعلیم خاص طور پر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرے۔ ساتھ ہی ساتھ صحابہ، اہل بیت، اولیاء اور علماء کی محبت بھی درسگاہوں کے درس میں اول ہو۔

۴۔ نظام تعلیم حقانیتِ اسلامی کا داعی ہو۔

۵۔ طلباء اسلام کو ایسی تعلیم دی جائے جو دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔ فضول مضامین کو خارج از نصاب کیا جائے۔

۶۔ اساتذہ کو صرف استاد ہونا چاہئے اور انہیں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کا آفاقی تصور ذہن نشین ہونا چاہئے۔

۷۔ طلباء اسلام کو دوران تعلیم خود اعتمادی اور مسلم قومیت کی اصلاح کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

۸۔ طلباء اسلام میں علم سے محبت ہونی چاہئے۔ کیونکہ معاشرہ کی ترقی کا راز علم میں پوشیدہ ہے۔

۹۔ درس گاہوں میں تعلیم پانے والے طلبہ کے اخلاق و عادات اور کردار اعلیٰ ہوں اور ذہنی قابلیت کے ساتھ ساتھ انہیں جسمانی طور پر بھی صحت مند ہونا چاہئے۔

۱۰۔ درس گاہوں کو طلباء کیلئے ایسا ماحول مہیا کرنا چاہئے جو ان کیلئے تعلیم میں دلچسپی اور مقصد میں کامیابی کی راہ ہموار کرے۔

اگر اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے تصور علم کو سمجھا جائے تو ان نکات کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اکثر لوگوں کے ذہن میں تعلیم کا مقصد صرف بچہ کو بہت ساری معلومات فراہم کرنا نصاب کی تکمیل اور امتحان میں کامیابی حاصل کرنا۔ لوگوں کے نزدیک اسکول کا نصاب ختم کر کے کامیابی حاصل کر کے سند حاصل کرنا ہی تعلیم ہے۔ لیکن امام احمد رضا قدس سرہ کا تصور علم۔ اس سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ بقول اعلیٰحضرت تعلیم انفرادی ہو یا ایک معاشرہ کی ضروریات پورا کرتی ہو اس کا مقصد ہے معاشرہ میں ایسے افراد پیدا کرنا جن سے سارا معاشرہ اثر لے اور وہ دوسروں کیلئے نمونہ ہو۔ اس ماڈل معاشرہ میں جو استاد تعلیم دیتے ہوں ان کے تعلیم دینے کا مقصد فقط ڈیوٹی انجام دینا نہ ہو بلکہ وہ ایسے افراد کی پیداوار میں اضافہ کو یقینی بنائیں جس سے اسلامی فلاحی معاشرہ کی تشکیل ہو۔ مذکورہ تربیت یافتہ افراد نہ صرف اپنے اردگرد کے ماحول کو متاثر کریں بلکہ پورے معاشرہ کو متاثر کرنے کیلئے ایک خوش گوار ماحول کو یقینی بنائیں۔

اب ہم مذکورہ نکات پر غور و فکر کرتے ہیں اور تفصیلاً انھیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں :۔

ان نکات کا مقصد ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جس کا ہر فرد دوسرے کیلئے نمونہ ہو۔ جس کے اخلاق اعلیٰ اور عادات و اطوار اسلامی تعلیمات کا نمونہ ہوں۔ ایک پر امن معاشرہ تعلیم کی تشکیل اور موثر نظام زندگی کے بغیر یہ ممکن نہیں اور حقیقتاً وہ نظام زندگی اسلام ہے جو دین حق و فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ نظام حیات کا آفاقی تصور ہے۔

استاد اور طالب علم دونوں کی اجتماعی ذمہ داری معاشرہ کی اصلاح ہے۔

امام احمد رضا کا تیسرا نکتہ علمی وسعت میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے۔ امام احمد رضا ایک پیشہ ور استاد نہ تھے بلکہ انہوں نے خلوص و محبت کے ساتھ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درس دیا اسی کو طلبہ کی بنیادی ضرورت قرار دیا۔ اس نکتہ سوم میں نہ صرف ایک تعلیم کے فریضہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بلکہ اتحاد امت کی طرف ایک اہم قدم ہے اس میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہلبیت عظام، اولیائے امت اور علمائے کرام کی عزت و توقیر کا بھی درس دیا گیا ہے۔

امام احمد رضا کے یہ دس نکات اسلامی معاشرے کی کامیابی کی بنیاد ہیں۔ یہ مستقبل کے افراد معاشرہ کی تربیت اس انداز سے کرے۔ کا درس دیتے ہیں جو نہ صرف خود کفیل معاشرہ کی تشکیل کریں تاکہ ایک جدید معاشرہ اور

جدید دنیا میں اپنا مقام پیدا کر سکیں۔ ایسا معاشرہ اسی وقت تشکیل کیا جا سکتا ہے جب تعلیم کسی مقصد کے تحت ہو۔

امام احمد رضا کے اس نظام تعلیم کے خاکہ کی اہمیت اس قدر اہم کیوں ہے ؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اعلحضرت کے دور میں اسلامی معاشرہ غیروں کے کنٹرول میں تھا اور یہ حالت اب بھی جوں کی توں ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے ہمیشہ ہر جہت سے کنٹرول معاشرہ میں روشنی کی کرن پیدا فرمائی۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ میں ظلم ایک جہت سے نہیں تھا بلکہ ہر جہت سے تھا اور ایسے مظلوم معاشرہ کو کسی ایسے منصوبے کی ضرورت تھی جو اسے آزادی اور خود مختاری کی راہ دکھائے۔ امام احمد رضا نے ان عوامل کی نشاندہی کی جو اس وقت کے معاشرہ میں اور موجودہ معاشرہ میں خرابی پیدا کرنے کے باعث تھے۔

وہ نظام تعلیم جو مسلمان بچوں میں لادینی نظریات کو فروغ دے رہا تھا اور دے رہا ہے۔ اعلحضرت نے اس کی نشاندہی فرمائی اور اسلامی نظام تعلیم کو ہر درس گاہ کی بنیاد قرار دیا۔ مسلم خاندان کے بچے اسکول میں تعلیم حاصل کریں اور تہذیب وتمدن غیروں کا اپنانے میں فخر محسوس کریں۔ در اصل یہ ایک سازش تھی اور موجودہ معاشرہ میں بھی ایک المیہ ہے۔ مسلمان بچے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنا مذہب، معاشرہ اور ثقافت چھوڑ کر لادینی نظریات کو فروغ دیں۔ امام احمد رضا نے اس خطرہ کی طرف اشارہ دیا اور اس کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے ۱۰ نکاتی فارمولہ عنایت کیا۔

امام احمد رضا کے دور میں علی گڈھ یونیورسٹی میں جو تعلیم دی جا رہی تھی اس میں طلبہ کو اسلامیات کی تعلیم ضرور دی جاتی تھی مگر سائنس پر اسلام کو فوقیت دینے کے بجائے اسلام کو سائنس کے تابع کرنے کی کوشش کی گئی کیونکہ اس وقت کی انگریزی حکومت میں ایسی ہی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل افراد انتظامی عہدوں پر کام کر سکتے تھے۔ اس طرح اسلام کو حقیقی معنوں کے بجائے نئی شکل کے ساتھ پیش کیا گیا۔ امام احمد رضا نے ایسے نظام تعلیم کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی جو اسلام کی حقیقی شمع روشن کرنے کا سبب ہو۔

طبقاتی تقسیم کا المیہ :۔ امام احمد رضا نے اس جدید یونیورسٹی میں تعلیم یافتہ افراد اور معاشرے کے دیگر افراد کے درمیان طبقاتی تقسیم کی نشاندہی کی۔ کیونکہ چند لوگ ایسی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لادینی معاشرہ میں انگریز حکومت کے آلہ کار بنتے تھے جس سے معاشرہ میں طبقاتی ماحول کو فروغ حاصل ہوا۔ مسلم طلبہ کا علم اور ان کی صلاحیت اسلامی معاشرہ میں فوائد وثمرات چھوڑنے کے بجائے دشمنانِ دین کی نذر ہوئی۔ اس طرح جو قیادت اسلامی معاشرہ میں مخلص تھی اور اسلامی نظام زندگی میں پختہ یقین رکھتی تھی انھیں اہم عہدوں سے خارج کر دیا گیا۔ نتیجۃً وہ طلبہ جو ان جدید درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں انھیں بھی انگریزی حکومت نے کسی بھی اہم عہدہ کی ذمہ داری نہ سونپی۔

امام احمد رضا نے مسلمانانِ ہند کے لئے نہایت زریں اصول وضع کیا اور انھیں اپنے علم اور صلاحیت کو اسلامی

معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کرنے کی تلقین کی۔

آج لادینی معاشرہ میں نظام تعلیم مسلمان بچوں کو دین اسلام سے متنفر کر رہا ہے۔ جس طرح اعلیٰ حضرت کے دور میں انگریزی نظام تعلیم نے صرف مخصوص طبقوں کو یونیورسٹیوں میں نمائندگی دی۔ باوجود یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے طلبہ کو نچلے درجہ میں رکھا گیا۔

امام احمد رضا نے یہاں ایسے نظام تعلیم کے رواج پر زور دیا اور اس بات اور تصور کی قطعاً تردید کی جس کی رو سے دینی علوم کے علاوہ دیگر مضامین کی اجازت نہ ہو۔ امام احمد رضا نے نہایت واضح الفاظ میں مفید اور معلوماتی مضامین و علوم کو طلبہ کیلئے ضروری قرار دیا۔ امام نے واضح فرمایا کہ مذکورہ مضامین و علوم کو اسلام کی آفاقی روشنی میں پڑھا جائے جو انھیں دین و دنیا میں سرخرو کرے لیکن ان کی توانائیوں اور صلاحیتیں اسلامی معاشرہ کے لئے ہوں۔ البتہ وہ علوم جو کلیتہً اسلامی علوم سے متصادم ہوں ان کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ایسے علوم نے نہ صرف لادینیت کو فروغ دیا بلکہ امت مسلمہ کو اوج ثریا سے زمین پر دے مارا۔

امام احمد رضا نے اپنے تعلیمی خطبہ کے تیسرے نکتہ میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہلبیت اطہار، اولیائے امت و علمائے ملت کی محبت و عزت کو ضروری قرار دیا کیونکہ اس دور میں جو طلبہ ان جدید یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے انھیں اسلام کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا گیا۔ ان بے خبر فارغ التحصیل طلبہ نے اسلام کی مکمل سوجھ بوجھ اور علم کا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے بعد بھی اسلامی قیادت کے خلاف آواز اٹھائی۔ کیونکہ وہ ہر شے کو اپنے علم کی روشنی میں جانچنے کے عادی تھے یہاں تک کہ اسلامی نظام زندگی کو بھی اسی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ انھوں نے اکابرین امت کی محبت اور اتباع کو غیر ضروری قرار دیا۔ امام احمد رضا نے اس غلط اور فرسودہ تعلیم کو اسلام کے خلاف قرار دیا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، اولیاء اور علماء کی محبت و تعلق کو ضروری قرار دیا۔

ان تعلیم یافتہ افراد میں سے بعض نے اسلامی معاشرہ کے خلاف منظم جدوجہد کا آغاز کیا اور "جدید اسلام" کے نظریہ کے فروغ کے لئے انھوں نے انگریزوں کے اشاروں پر بھرپور خدمات انجام دیں کیونکہ وہ انگریزوں کے نظام میں اس وقت تک اہمیت حاصل نہ کر سکتے تھے جب تک وہ معاشرۂ اسلامی کو ناقابل عمل اور فرسودہ قرار نہ دیتے۔

اس تجدد پسندی کی خواہش میں بعض تعلیم یافتہ افراد نے بھی حقیقتِ اسلامی کا انکار کیا اور نئے نئے نظریات پیدا کر کے امت مسلمہ میں نئے فرقوں کی بنیاد ڈالی۔ ان میں مصر کے محمد عبدہ نے مغربی اسلام کی تحریک شروع کی اور نص قطعیہ تک کو روند ڈالا۔ امام نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جو اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار تھے کہ اسلام میں طبقاتی تعلیم کا تصور قطعاً موجود نہیں۔ تعلیم پر معاشرہ کے ہر غریب و امیر اور ادنیٰ و اعلیٰ طبقہ کے افراد کا برابر کا حق ہے۔ محمد عبدہ نے اسلام کا جو تصور پیش کیا اس کی رو سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا اسلام غریب طبقہ کے افراد

کا اسلام جو مدرسوں میں علم حاصل کرتے تھے، سے مختلف تھا۔ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا "اسلام" انھیں ایسی تعلیم دیتا تھا جو غریب طبقہ کے لوگوں کو حقیر اور نچلے درجے کا تصور کریں۔

امام احمد رضا نے تجدد پسندی کے اس مکروہ عزم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کی کوشش فقط اس کافرانہ حکومت میں اعلیٰ عہدوں کا حصول ہے۔ وہ اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لئے غرباء کو اسلام کی عطا کردہ عزت و توقیر سے محروم کر رہے ہیں جبکہ اللہ کے نزدیک فضیلت و بزرگی کا معیار دولت نہیں تقویٰ اور نیکی ہے۔

امام احمد رضا کے پیش کردہ زریں اصول سے قبل ۱۹ ویں صدی کے آخر میں جو نظام تعلیم متعارف کرایا گیا ہے اس نے امت مسلمہ کو دو بڑے درجوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک مخصوص طبقہ اور دوسرا محروم طبقہ۔ مخصوص طبقہ تو وہ تھا جو جدید درسگاہوں میں اسلام کے نام پر کافرانہ نظام زندگی اور نظام تعلیم کو فروغ دے رہا تھا۔ اس طبقہ نے انگریزوں کی نگاہوں میں مقام حاصل کرنے کے لئے "حقیقی اسلام" کی مخالفت کی۔ امام نے اس غلط رجحان کا پردہ فاش کیا اور اسلام کے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کی اہمیت کو اجاگر فرمایا۔ آپ نے جدید علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم کو لازمی رکھا جو طلبہ کو دیگر قوموں کے مقابلہ میں کامیابی سے ہمکنار کرتے ہوئے فضیلت بھی عطا کرتا ہے۔ قیادتِ اسلامی کی حفاظت دراصل اسلامی ورثہ کی حفاظت ہے اور اسلامی ورثہ کی حفاظت اسلامی نظام زندگی کی حفاظت ہے۔ جدید ریاستوں نے عوام الناس کو ماتحت کرنے کے لئے تعلیمی ہتھیار استعمال کئے ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس نہ صرف جسمانی طور پر ان کے کنٹرول میں آجاتے ہیں بلکہ ذہنی غلامی کی ذلت سے بھی سوا کے لئے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں تعلیم کا فریضہ اہل علم کی ذمہ داری ہے۔ ریاست انھیں وسائل دینے کی ذمہ دار تو ہے لیکن تعلیم کی حقیقی ہیئت و صورت کو تبدیل کرنے کا اسے کوئی حق نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں علمائے کرام اور اسکالر عوام الناس کو صراط مستقیم سے روشناس کراتے ہیں اور ریاست انھیں اس مقصد کے لئے مناسب ماحول فراہم کرتی ہے۔

ان جدید درسگاہوں سے فارغ ہونے والے افراد نے امت مسلمہ کے علماء اور اسکالر کے اثر و رسوخ کے خلاف دشمنانِ دین کے اشاروں پر جدوجہد شروع کر دی۔ انگریزوں کے اس اقدام کا مقصد تھا اسلامی قیادت کو ختم کر کے کافرانہ نظامِ حکومت کو نافذ کرنا جس کے لئے انہوں نے ایسے لوگوں کو استعمال کیا۔ دوسرے لفظوں میں انگریزوں کے اس اقدام نے ان لوگوں کے خلاف اور محاذ قائم کیا جو اپنے دلوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہلبیت اطہار اور اولیاء و علماء سے محبت رکھتے تھے انھوں نے ایسے لوگوں کے بارے میں شخصیت پرستی کا شوشہ چھوڑا۔

امام احمد رضا نے اپنے تیسرے تعلیمی نکتہ میں مذکورہ اسلاف کی محبت پر بہت زور دیا ہے اور اسے طلبہ کیلئے زبان سے زیادہ دلوں پر نقش کرنے کا درس دیا ہے۔ علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلبہ نے خود کو انگریزوں کے

نظام میں موزوں ثابت کرنے کے لئے ہر وہ کام انجام دیئے جو انہیں تعلیمی درس گاہوں میں سکھایا گیا تھا۔ حتیٰ کہ انھوں نے اسلام کو جدید نظریات کے ماتحت کرنے کی کوشش کی۔ عوام الناس کو علماء اور اسلاف امت کے خلاف اس طرح ابھارا کہ وہ موجودہ دور کے مسائل کو حل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک جدید دور کے لئے اسلاف امت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نظریہ کی آڑ میں عوام کے لئے اسلام کی وہ شکل پیش کی گئی جو کافروں نے تیار کی تھی اور جس کی بنیاد محمد عبدہ مصری نے رکھی تھی یعنی ایک ایسا نظریہ جس نے طبقاتی تقسیم کو مزید تقویت بخشی اور امت مسلمہ کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔

امام احمد رضا نے ان حالات میں نہایت واضح موقف اختیار کیا کہ اسلام میں طبقاتی نظام تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ تعلیم جو امیروں کے لئے ہے غریب بھی وہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور ہر طبقہ کو اس پر یکساں حق حاصل ہے۔ ماڈرن اسلام کی شکل میں محمد عبدہ مصری کے پیش کردہ باطل نظریات کی رو سے گاؤں میں تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلبہ کا نظام تعلیم شہری کالجوں اور یونیورسٹیوں میں حاصل کرنے والے اعلیٰ طبقہ کے نظام تعلیم سے مختلف تھا۔

امام احمد رضا نے اس نظریہ کو باطل ٹھہرایا اور ۱۹ ویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب کسی دوسرے مفکر نے علی گڑھ تحریک کے متبادل نظام پیش نہیں کیا، آپ نے اس فریضہ کی طرف توجہ دی اور اسی سے ان کے اصلاحی نکات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امام نے امت مسلمہ کے حقیقی تعلیمی مسائل کے حل اور افراد کی غلط ذہنی تربیت کے خلاف آواز حق بلند کی۔ امام کے اس مجاہدانہ فتویٰ نے امت مسلمہ میں کئی تبدیلیاں پیدا کیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا نے جدید تعلیم کو اسلام کی روشنی میں نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ امت مسلمہ کو اسلام کے ساتھ ساتھ اس کی تلقین کی جو ایک اسلامی معاشرہ میں امن و سکون پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بغیر اسلام کے جدید تعلیم مسلمانوں کو ذہنی طور پر غیروں کا غلام بناتی ہے جبکہ اسلام کی روشنی انہیں پراگندگی سے بچا کر خالص مسلمان بناتی ہے۔

۲۔ ان نکات کی روشنی میں ریاست کو اس بات کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ عوام الناس پر اپنی پسند کے تعلیمی نظریات مسلط کرے۔ ریاستیں ہمیشہ سے ہی عوام کو ذہنی طور پر غلام بنانے کے لئے تعلیم کو کلیتہً تبدیل کرتی آئی ہیں۔ آپ نے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی۔

۳۔ حکومت تعلیم میں بالواسطہ طلبہ کے اذہان میں اسلام کے خلاف زہر بھر رہی تھی جو انہیں سچا مسلمان بنانے کے بجائے ایک لادین طالب علم بنا دیتی تھی۔ امام نے اسکولوں میں طبقاتی تعلیم کو بے بنیاد اور خلاف اسلام قرار دیا۔ آپ کے مطابق اسکولوں میں نسلی تعصبات، طبقاتی تقسیم، قومیت اور دیگر لادینی نظریات طلبہ کے بنیادی حقوق تعلیم کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر طلبہ کو طبقاتی نظام تعلیم دی جائے گی تو

اس کا مطلب ہوگا معاشرہ میں طبقات پیدا کرنا جو دشمنانِ دین کی سازشوں کی تکمیل کرتی ہے۔ مسلم طلبہ کو اس طرح کی تعلیم دی جائے کہ وہ دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کو بھائی اور بہن سمجھیں۔ یہی رشتہ کا تصور اسلامی نظریات اور اسلامی تہذیب کی بنیاد ہیں۔

۴۔ جدید معاشرہ میں تعلیم کا مقصد فقط سرٹیفکٹ اور اچھی نوکری حاصل کرنا ہے۔ اس طرح طلبہ میں علم و حکمت کی روح فوت ہو جاتی ہے۔

امام نے اس غلط تصور کو خلافِ فطرت قرار دیا اور طلبہ کو علم و حکمت کے موتی نہ صرف اچھی نوکری کے حصول کیلئے بلکہ اپنی زندگی کو اصولوں کے مطابق گزارنے کی تلقین کی۔ ان نکات کی روشنی میں طلبہ کو معاشرہ کا ایسا فرد بنایا جائے جو معاشرہ میں مثبت کردار ادا کریں۔ اکثر مسلمان والدین اپنے بچوں کی تعلیم فقط اچھی ملازمت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ایسے مسلمان اسلام کے حقیقی تصور علم سے ناواقف ہیں جو امام احمد رضا نے پیش فرمائے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انھیں اسلام کے تصور علم کے بارے میں پڑھایا ہی نہیں گیا۔ جن درس گاہوں میں انھیں پڑھایا گیا اس کا مقصد فقط چند مجوزہ کتب پڑھنا، امتحان پاس کرنا، سرٹیفکیٹ کا حصول اور اچھی ملازمت کا پالینا ہے۔ زندگی کے دیگر شعبوں۔ اخلاقیات، معاشرہ میں مثبت کردار اور ذمہ داریاں ان کے نصاب کا حصہ نہیں ہیں۔

سب سے زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ معاشرہ میں مسلمان ہر اس چیز کی تعریف کرتے ہیں جو مغربی معاشرہ کا حصہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنی فضیلت مغربی ثقافت کی پیروی میں سمجھتے ہیں۔ نوجوانانِ اسلام اسلامی ثقافت سے بے بہرہ ہیں۔ ان کی زندگی کا محور اس مغربی معاشرہ میں دردر کی ٹھوکریں کھانا، دشمنان دین کی چاپلوسی اور نتیجتہً زندگی کی ہر خوشی سے محروم ہو کر اسلام سے دوری اور نشہ شراب میں مست ہونا ہے۔ اس طرح کی غلط اور بے لگام زندگی میں بچوں کا قصور نہیں بلکہ انھیں زندگی میں اسلام کی تعلیم ہی نہیں دی گئی نہ انھیں اسلامی ثقافت کی برکتوں سے آگاہ کیا گیا۔ ان کی زندگی لادینی اسکول میں جاتے جاتے گزر گئی لیکن ان کے والدین کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ انھیں اسلامی درس گاہ تک لے جاتے۔

مغربی معاشرہ کے پروپیگنڈہ کی رو سے اسلام فقط بولنے اور سننے کی چیز ہے۔ اس میں عمل کرنے اور نہ زندگی میں اپنانے اور اختیار کی ضرورت ہے۔ اگر انھیں اسلاف کے کارناموں اور کراماتِ اولیاء سے آگاہی دی جاتی ہے تو یہی گمراہ قائدین انھیں بدعت اور شرک کی نوید سناتے ہیں جس سے نوجوانانِ اسلام اسلاف اور اولیاء کرام سے دور ہوتے ہوتے نہ صرف اسلام کے نظام حیات بلکہ روحانیت سے دور ہو کر لادین ہو جاتے ہیں۔

مسلمانانِ ہندوستان و برطانیہ کی اس قابل رحم حالت کا حل صرف یہ ہے کہ امام احمد رضا کے نکات کی بنیاد پر اسکول اور درس گاہیں قائم کی جائیں جو انھیں اسلامی نظام زندگی، نظام تعلیم اور ثقافت اسلامی سے آگاہ کریں۔ ان درس گاہوں میں مسلم طلبہ اپنے شاندار ماضی کا علم حاصل کر سکتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کر کے

موجودہ دور میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ انہیں درس گاہوں کی کامیابی کی بنیاد پر یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ اقوامِ عالم میں درس گاہیں منفرد اور بہتر ثابت ہوں گی۔

امام احمد رضا نے ایک ایسا راستہ متعین کر دیا جو اہل اسلام اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے کھو چکے ہیں۔ اس نقصان کے ذمہ دار نہ صرف دشمنانِ دین ہیں بلکہ وہ مسلمان بھی ہیں جنہوں نے تجدد پسندی میں اپنی حقیقت کو غیروں کی تہذیب میں گم کر دیا۔ امام نے اہلِ اسلام کو قابلِ عمل نظریہ سے روشناس کرایا۔ بین الاقوامی سطح پر اسلامی نظام تعلیم کو رواج دینے کا فریضہ انجام دیا۔ کیونکہ اس جدید دور میں تعلیم ہی ایسا شعبہ رہ گیا ہے جس میں کم تنخواہ اور کم عزت و توقیر کا حقدار اساتذہ کو گردانا گیا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں اس غلط تصور کے خلاف صحیح نظریہ اور اس کا متبادل حل پیش کیا گیا ہے۔

موجودہ دور میں نظام تعلیم کا ایک اور سانحہ شعبہ جاتی پہلو ہے جو ایک تنگ نظر تعلیمی نظریہ کا اظہار ہے کیونکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اساتذہ کسی بھی ایک مضمون میں تخصص (Specialization) کی بنیاد پر تعلیم دیتے ہیں جنہیں اپنے مضمون کے علاوہ دیگر مضامین کے بارے میں علم حاصل نہیں ہوتا۔ ایک ہی دائرہ میں محدود اساتذہ ایک طالب علم کی کل ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے تعلیمی نکات میں اسلام کو بنیاد تعلیم قرار دے کر اس کا متبادل تصور پیش کیا۔؏۱ امام احمد رضا کے نکات میں اس کا عملی نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ کے دور میں بریلی شریف میں مضمون پر حاوی اساتذہ نے علم کے موتی بکھیرے۔ خود امام احمد رضا ۵۷ علوم و فنون کے ماہر تھے۔ آپ کے پیش کردہ نظام تعلیم میں طلبہ کو درس دینے والے اساتذہ جملہ علوم و فنون پر ملکہ رکھتے تھے۔ شریعت اسلامی، روحانیت، سائنس، ریاضی وغیرہ ان کے دائرۂ تدریس میں داخل تھے۔ ایسے تدریسی ادارے اہلِ اسلام کے لئے بالخصوص ایک تحفہ رہے ہوں گے۔

امام احمد رضا کے نکات کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس نظام تعلیم میں ایک طالب علم کو مکمل انسان کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جو زمین پر خدا کا نائب اور معاشرہ میں عالم انسانیت کیلئے ایک نمونہ ہوگا۔

آہ! امام احمد رضا کے پیش کردہ نظام تعلیم کی کس قدر ضرورت ہے اس ظالمانہ دور میں اور کیسی اہمیت ہے اس

؏۱۔ امام احمد رضا کے اس تعلیمی منصوبہ کی روشنی میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کو تعلیم کی بنیاد بنانے سے جملہ مضامین کا علم اور فہم حاصل کرنا ممکن بلکہ ضروری ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں جملہ مضامین کے بارے میں تفصیلا بیان موجود ہے۔ سائنس، ہیئت، ریاضی، ہندسہ، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ

کی۔ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی حیات دراصل دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کرتے ہی گذری۔ وہ اسلام اور اسلامی معاشرہ کو حقیقی روپ میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ وہ اسلام پر ہونے والے داخلی اور خارجی حملوں کے خلاف ہمہ تن برسرِ پیکار رہے۔ حضرت احمد رضا کی جملہ کاوشوں پر مشتمل مضمون "چار بنیادی نکات" پہلے چھپ چکا ہے جو چار نکاتی منصوبہ کہلاتا ہے (اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی شریف نے کیا)

امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء کے چار نکاتی منصوبہ کا مقصد انگریزوں کے وسیع وعریض معاشرہ میں اہلِ اسلام کی تعلیم پر توجہ اور انہیں اسلامی نظامِ زندگی کے بارے میں تربیت دینا تھا۔ آزادی کے تصور آگاہی حضرت امام علیہ الرحمہ کے ان نکات میں عیاں ہے جبکہ آپ کے تعلیمی نکات طلباء اسلام کو اسلامی معاشرہ میں ایک معمار کے طور پر پیش کریں گے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے ان نکات کو امت مسلمہ کی تحریک آزادی کی خشتِ اول کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہی تعلیمی نظام مسلمانوں کو کافرانہ معاشرہ سے آزادی کا درس دیتے ہیں۔ یہی نکات امت مسلمہ میں صالح قیادت کو مضبوط کرنے اور علمائے حقہ اور اولیائے امت کی محبت کا درس دیتے ہیں۔ ایک ایسا نظام تعلیم جس میں امت مسلمہ کے روح رواں اولیاء و علماء کو اپنے کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور معاشرۂ اسلام کی تشکیل میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے انہیں نکات میں اسلامی تہذیب کو پروان چڑھانے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ ایسے اداروں میں جہاں اسلامی نظام تعلیم کا نفاذ ہو تہذیبِ اسلامی آزادی سے اپنا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی وساطت سے اہل اسلام میں بھائی چارے کو فروغ حاصل ہوگا۔

دینوی و اخروی کامیابیاں اسلامی نظام میں مضمر ہیں۔ امام کے مطابق اس منصوبۂ تعلیم میں طلبہ نہ صرف اپنی دینوی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ روحانی میدان میں بھی مقام کا حصول ان کیلئے آسان ثابت ہو سکتا ہے۔ موجودہ حالات ثابت کر رہے ہیں کہ دیگر نظام ہائے زندگی و تعلیم بری طرح ناکام ہیں۔ کافرانہ نظام مسلمانوں کو اپنے اصل مقام میں کبھی بھی کامیاب نہیں دیکھنا چاہتے۔ مسلمانوں کو اس کافرانہ معاشرہ میں فٹ کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبہ جات اختیار کئے جاتے ہیں لیکن نتائج کی کمزوری انسانی ذہن کی کمزوری اور کم علمی کا اظہار کرتی ہے۔ اہل اسلام اپنی اولاد کو کامیاب کرنے کے لئے امام احمد رضا کے پیش کردہ اور تشریح شدہ نظام تعلیم جو معلم کائنات نبیؐ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و مخازن سے لی ہوئی روشنی ہے جس نے اپنی پائیداری سے ہر سو اجالا برپا کیا۔ وہ انسانی علم کی طرح کمزور اور بے بنیاد نہیں بلکہ اس کا مخزن "ان ھو الا وحی یوحی" (وحی خداوند تعالیٰ جل جلالہ ہے) اہل اسلام کی امید مذکورہ نظام تعلیم انہیں ذہنی غلامی سے آزادی دلا کر مصطفوی غلامی صلی اللہ علیہ وسلم عطا کرے گا جس میں ایک عالمگیر اسلامی سلطنت کا قیام پوشیدہ ہے۔

امام احمد رضا کا اسلوبِ تحقیق

از:۔ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری۔ کراچی۔ پاکستان

اچھی اور مستند معلومات کی حامل تحریر کسی بھی قوم کا ورثہ ہوتی ہے۔ "تحقیق" محض الفاظ کو گرامر کے اصولوں کے مطابق جمع کرنے کا نام نہیں۔ "تحقیق" صرف اپنی معلومات کا انبار لگا دینے کا نام بھی نہیں۔ لکھتے وقت وہی الفاظ استعمال کرنا چاہیے جو قاری کو بات صحیح طور سے سمجھا سکیں۔ اور اصل مدعا بیان کر سکیں۔ تحقیق میں ضروری ہے کہ معلومات اس طور پر سامنے لائی جائیں کہ ان کا منطقی ربط بھی باقی رہے اور قاری کو نتائج اخذ کرنے میں دشواری بھی نہ ہو۔ ا۔

اسلام نے بلا تحقیق و تصدیق کوئی بھی بات دوسروں تک پہنچانے کو ناپسند کیا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كفى بالمرء كذباً ان يحدث بكل ماسمع "۔۲۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ بات کی تحقیق کئے بغیر اسے آگے بڑھا دے"۔

معلوم ہوا کہ بلا تفتیش و تحقیق کسی بھی بات کو دوسروں تک نہیں پہنچانا چاہیے۔ کسی بھی بات کو بلا تحقیق دوسروں تک پہنچانے کے دو اثرات تو عام ہوتے ہیں۔

ا۔ غلط بات سے معاشرہ میں بداعتمادی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۲۔ اگر کہی گئی بات عملی نتائج رکھتی ہے تو بلا تحقیق ایسے کلام سے تکلیف دہ نتائج نکل سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ تحقیق ایک سنجیدہ اور ذمہ داری کا کام ہے اسکی افادیت محقق تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ محقق کے خیالات تحریر کے ذریعہ دوسروں تک پہنچتے ہیں۔ ۳۔

حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں بریلی ہی میں وصال فرمایا۔ ۴۔ محیر العقول فطری ذکاوت کی وجہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ سے بہت جلد فراغت حاصل کرلی چنانچہ ایک جگہ خود فرماتے ہیں۔

"میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علماء میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے۔ اس وقت میں تیرا سال دس ماہ پانچ دن کا تھا، اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے"۔ ۵۔

امام احمد رضا نے اپنے رسالہ "الاجازۃ الرضویہ لمجبل مکۃ البھیہ" میں جن کثیر علوم و فنون کا ذکر کیا ہے

ان میں سے اکثر میں ان کو تجر حاصل تھا۔ جس کا اندازہ ان علوم و فنون سے مزین ان کی کثیر تعداد میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف سے ہوتا ہے۔

امام احمد رضا کی کتب و رسائل کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہے مگر افسوس کہ ان میں اکثر مفقود الخبر ہیں اور مزید یہ کہ اسکی کوئی مستند و جامع فہرست بھی دستیاب نہیں۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں اعظمی نے اپنے ڈاکٹریٹ (PH.D) کے مقالہ "فقیہہ اسلام" میں امام احمد رضا کی "۶۶۶" کتب و رسائل (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کا ذکر کیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل علامہ عبدالمبین نعمانی، فاضل بریلوی کی فہرست کتب مرتب فرمارہے ہیں وہ غالباً "۸۲۰" تک مرتب کر چکے ہیں۔ ۶۔ مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم (بانی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان) نے تقریباً "۹۰۰" سے متجاوز فہرست تیار کی تھی مگر افسوس کے اُن کے سانحۂ ارتحال کے بعد اُن کے خاندان کی اسلام آباد سے کراچی منتقلی میں کہیں گم ہو گئی۔ اس وقت بین الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی مرکزی لائبریری "گوشۂ محققین" میں تقریباً "۳۶۰" مطبوعہ کتب و رسائل اور "۱۵۰" کے قریب عکسی مخطوطات کا ذخیرہ موجود ہے۔

الغرض کسی کا کثیر التصانیف ہونا فی نفسہ کوئی خوبی نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مصنف کا اسلوب تحریر و تحقیق کیا ہے!۔ وہ رطب و یابس بیان کرنے کا تو عادی نہیں۔!

امام احمد رضا کے اسلوب تحقیق اور قوت فیصلہ سے متعلق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوٰی میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی"۔ ۷۔

ناظم ندوۃ العلماء، (لکھنؤ) مولوی ابوالحسن علی ندوی، امام احمد رضا کی قوتِ استدلال پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"انہوں نے ایک کتاب بنام "الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ" تصنیف کی یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفورِ علم اور قوتِ استدلال پر دال ہے"۔ ۸۔

فاضل بریلوی کے فتاوٰی میں اسلوب و تحقیق اور معیار پر اظہار خیال کرتے ہوئے پاکستان کے ممتاز ادیب و دانشور حکیم محمد سعید دہلوی فرماتے ہیں

"میرے نزدیک ان کے فتاوٰی کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں، بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب و معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں"۔ ۹۔

"فتاویٰ رضویہ" امام احمد رضا کے اسلوبِ تحقیق کا عظیم شاہکار ہے اور آپ کی وسعتِ علمی و فقہی جزئیات پر عمیق نظر کا درخشاں باب ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان کے تحقیقی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں اور یہ بھی واضح ہوتا کہ وہ فتویٰ نویسی کے تمام اصول و قواعد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کے فتاویٰ میں فتویٰ نویسی کے تمام اجزاء پائے جاتے ہیں یعنی مستفتی کا نام و پتہ، تاریخِ استفتاء، صورت مسئولہ اور پیش آمدہ واقعات کی ضروری جزئیات۔

امام احمد رضا سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا گیا یا فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا، پھر حدیث نبوی سے استفادہ کرنے کی کوشش کی اور بعد ازاں فقہائے احناف سے استفادہ کیا۔ ۱۰۔ جس کی بدولت فقہ حنفی کو برصغیر میں وسعت اور قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔

امام احمد رضا کے فتاویٰ میں ایک اصول نمایاں نظر آتا ہے کہ آپ نے جن مآخذ و مصادر سے فتاویٰ میں استدلال کیا، ان کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے جو کہ آپ کی وسعتِ مطالعہ، علمی دیانت، اسلافِ احناف سے اتفاق و عقیدت اور روایت کے تسلسل کی درخشاں دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے اسلوبِ تحقیق کی نمایاں خصوصیت ہے۔

امام احمد رضا کا اسلوبِ تحقیق بلند ہی نہیں بلکہ بہت بلند ہے، انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا اس میں نادر و نایاب تحقیقات پیش کر کے ہر دور کے اہل علم و فن کو ششدر کیا۔

آپ نے محققین کے لئے تحقیق سے متعلق بعض نکات پیش فرمائے ہیں، ان میں سے چند نکات بیان کئے جاتے ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ کا اسلوبِ تحقیق کس قدر بلند ہے۔

تحقیق میں صحت نسخ اور صحت متن کو اساسی اہمیت حاصل ہے اکثر محققین اس کی پرواہ نہیں کرتے اور چھپی ہوئی کتاب سے استفادہ کر کے استدلال و استناد کرتے ہیں اور اس کے مندرجات کو بلا تامل مصنف سے منسوب کر دیتے ہیں۔ امام احمد رضا اس معاملے میں بہت محتاط تھے۔ انہوں نے "صحتِ نسخ"۔ "صحتِ متون"۔ "اتصالِ سند"۔ "تواتر"۔ "تداول" اور "احتیاط استدلال" وغیرہ پر بحث کی ہے۔

○—— صحت نسخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ا۔ "کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہونا اس سے ثبوت قطعی کو مستلزم نہیں، بہت رسالے خصوصاً اکابر چشت کے نام سے منسوب ہیں جس کا اصلاً ثبوت نہیں" ۱۱۔

○—— صحت متون

ا۔ "کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں، بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب "الیواقیت والجواہر" امام عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے" ۱۲۔

○—— اتصالِ سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ا۔ علماء کے نزدیک ادنیٰ درجہ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو۔ ۱۳۔

۲۔ اگر ایک اصل تحقیقی معتمد سے اس نے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے یعنی اصول معتمدہ متعدد سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے یہ اتصال سند اصل وہ شے ہے جس پر اعتماد کر کے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے" ۱۴۔

○—— تواتر پر بحث میں لکھتے ہیں۔

ا۔ "کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا، اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی" ۱۵۔

۲۔ "متعدد بلکہ کثیر ووافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوتِ تواتر کو بس نہیں جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کئے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل، نقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے" ۱۶۔

○—— تداول سے متعلق امام احمد رضا فرماتے ہیں

ا۔ "اور متاخرین نے کتاب کا علماء میں ایسا مشہور و متداول ہونا جس سے اطمینان ہو کہ اس میں تغیر و تحریف نہ ہوئی، اسے مثل اتصال سند جانا" ۱۷۔

۲۔ "تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کے مطمح نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علماء کے زیر نظر آچکے اور وہ بحالتِ موجودہ رہی ہو، اسے مصنف کا کلام مانا جائے" ۱۸۔

۳۔ "زبان علماء میں صرف وجود کتاب کافی نہیں کہ وجود و تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے" ۱۹۔

○—— احتیاط نقل و استدلال" پر بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا درج ذیل نکات پیش کرتے ہیں۔

ا۔ علماء نے فرمایا جو عبارت کسی تصنیف کے نسخے میں ملے اگر صحت نسخہ پر اعتماد ہے یوں کہ اس نسخہ کو خود مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے یا اس نسخے سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا یوں ہی اس ناقل تک تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلاں کتاب میں یہ لکھا ورنہ جائز نہیں"۔ ۲۰۔

۲۔ "اس نسخۂ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخۂ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زائد ہوں تو سب کا اسی طرح کا معتمدات ہونا معلوم ہو تو یہ سب بھی ایک طریقہ روایت ہے اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز"۔ ۲۱۔

وزارت تعلیم، حکومت سندھ کے سابق ایڈیشنل سکریٹری اور پاکستان کے ممتاز ماہر تعلیم و نصاب پروفیسر

ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا کے معیارِ تحقیق سے متعلق فرماتے ہیں۔

"امام احمد رضا کا تحقیقی معیار بہت بلند تھا، اپنی تصنیف، "جحب العوار" میں انہوں نے ماخذ اور اس کے متن پر علمی بحث کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیسے بلند پایہ محقق تھے" ۲۲۔

امام احمد رضا کی تحقیقات اور ان کا معیار اس قدر بلند ہے کہ ان سے برصغیر کے محققین ہی نہیں بلکہ علماء عرب اور مستشرقین یورپ بھی متاثر نظر آتے ہیں۔

مشہور شامی عالم، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ ۲۳۔ (پروفیسر کلیۃ الشریعہ، محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض سعودی عرب) جو عربی زبان و ادب کے ممتاز ادیب و دانشور اور تقریباً پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں فرماتے ہیں۔

"میں نے جلدی جلدی میں (امام احمد رضا کا) ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے" ۲۴۔

یورپی مستشرق کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبۂ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربراڈی مٹکاف لکھتی ہیں۔

"احمد رضا کی نگارشات کا انداز مدلل تھا، جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے جس سے ان کی علمی اور عقلی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے" ۲۵۔

۱۳۳۹ھ میں "داناپور (ہندوستان) کے محمد حنیف خان نامی شخص نے امام احمد رضا سے ایک مسئلہ دریافت کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے ایک رسالہ "جحب العوار عن مخدوم بہار" تحریر فرمایا تھا، اس رسالے کے شروع میں امام احمد رضا نے اسلوب تحقیق کے تمام جزئیات پر تفصیلی بحث کی ہے جو کہ محققین کیلئے لائق دید اور قابل مطالعہ ہے۔

امام احمد رضا کی علمی شخصیت کا تقاضا تھا کہ بین الاقوامی تحقیقی اداروں اور عالمی جامعات میں ان پر تحقیقی کام ہو چنانچہ عالمی جامعات نے اپنا رخ امام احمد رضا کی سمت کیا ہے، فاضل بریلوی کے حوالے سے تحقیقاتی کام ہوا ہے اور مزید ہو رہا ہے جس کی تفصیلات، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے سالانہ مجلہ میں ہر سال شائع ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکول و کالج اور جامعات کے تعلیمی نصاب میں امام احمد رضا کے حوالے سے اسباق شامل کئے جائیں تاکہ نئی نسل اپنے اسلاف کے علمی کارناموں اور ان کے اسالیب تحقیق سے متعارف و مستفیض ہو سکے۔

☆☆☆

حواشی و حوالے

(۱) قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، تصنیف و تحقیق کے اصول، مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء صفحہ ۳

(۲) مسلم شریف، جلد اول، مطبوعہ مصر صفحہ ۷۳ / مطبوعہ کراچی، صفحہ ۸

(۳) قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، تصنیف و تحقیق کے اصول، مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء صفحہ ۵۴

(۴) ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ بریلی

(۵) احمد رضا خاں مولانا، الاجازۃ الرضویہ لمجبل مکۃ البہیہ بشمول رسائل رضویہ (مرتبہ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری) جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۰۹

(۶) یٰسین اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء، ص ۳۸

(۷) مقالات یوم رضا، حصہ سوئم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۰

(۸) ابوالحسن علی ندوی، مولوی، نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، جزء ثامن مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء ص ۴۱

(۹) محمد سعید دہلوی، حکیم، فاضل بریلوی کی طبی بصیرت، مشمولہ سالنامہ معارف رضا شمارہ نہم، (۱۹۸۹ء) مطبوعہ کراچی، ص ۹۹

(۱۰) محمد طفیل، حافظ، ڈاکٹر، قرآن حکیم، فتاوی رضویہ کا اولین ماخذ، بشمولہ سالنامہ معارف رضا شمارہ ۱۹۹۴ء مطبوعہ کراچی ص ۵۷ (۱۱) احمد رضا خاں مولانا، عجب العوار عن مخدوم بہار، مطبوعہ لاہور ص ۱

(۱۲) ایضاً (۱۳) ایضاً ص ۲ (۱۴) ایضاً ص ۳

(۱۵) ایضاً ص ۲ (۱۶) ایضاً ص ۴

(۱۷) ظفر الدین بہاری، مولانا المجمل المعدد لتالیفات المجدد، مطبوعہ پٹنہ ص ۷

(۱۸) (الف) ایضاً ص ۷ (ب) احمد رضا خاں مولانا، عجب العوار عن مخدوم بہار ص ۴

(۱۹) احمد رضا خاں، مولانا، عجب العوار عن مخدوم بہار، مطبوعہ لاہور ص ۴

(۲۰) ایضاً ص ۳ (۲۱) ایضاً ص ۲

(۲۲) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، افتتاحیہ، (فقیہ اسلام، از ڈاکٹر حسن رضا خاں اعظمی) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۴ء ص ۳

(۲۳) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا حال ہی میں وصال ہو گیا ہے، آپ کے تفصیلی حالات و خدمات پر چکوال (پاکستان) کے فاضل عابد حسین شاہ نے اردو میں تفصیلی مقالہ مرتب کیا ہے جو کہ پاک و ہند میں زیر طبع ہے۔

(۲۴) یٰسین اختر مصباحی مولانا، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء ص ۱۸۴

(۲۵) DR. BARBARA D. METCALF, THE REFORMIST ULEMA: MUSLIM RELIGIOUS LEADERSHIP IN INDIA (1860- 1900), BERKELEY- 1974 ء

امام احمد رضا خان بریلوی

ایک جامع الصفات شخصیت

از : جناب پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انیسویں اور بیسویں صدی کا ربع اوّل مذہبی مناظروں ' مناقشوں ' مجادلوں اور محاربوں کا عہد ہے۔ تقریر و تحریر سے گزر کر دست و بازو کی آزمائش کے مراحل بھی آئے۔ اخلاص و ایمان کو مباہلوں کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ برصغیر بیک وقت مغرب و مشرق کی تہذیبی اقدار ' مذہبی اعتقادات اور فکری اساسات کی آویزشوں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ انگریزی سامراج کی فتوحات کا استحکام دیسی امراء کی غداریوں اور عیسائی مشنریوں کے ہتھکنڈوں کا مرہونِ منت تھا اور ان کی تبلیغی سرگرمیاں خصوصاً اسلام کیلئے خوفناک حد تک خطرہ ثابت ہو رہی تھیں۔ مسیحیت کے علمبردار اس بات کے خواہاں تھے کہ مسلمانوں کے دلوں سے ایمان و ایقان کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا جائے اور انہیں سیاسی خلفشار کے ساتھ ساتھ مذہبی یک جہتی و یکجہتی سے محروم کر دیا جائے۔ عیسائی مبلغین نے ایک طرف تو ان اہل علم حضرات کو آغوش تربیت میں لیا جو ثابت قدم نہ تھے۔ یہ لوگ عیسائیت قبول کر کے اسلام اور بانی اسلام ﷺ پر معترض ہوئے۔ اہل اسلام کی طرف سے ان کے اعتراضات کے مدلل و مسکت جواب دیئے گئے۔ دوسری طرف سامراجی مشنریوں نے خود ایسے ناہموار مسلمانوں کو ڈھونڈ نکالا جو سربر آوردہ علمی خاندانوں سے وابستہ تھے۔ یہ ان مرتدین سے زیادہ مضرت رساں نکلے کہ علماء و مشائخ کا لبادہ اوڑھے سادہ لوح عوام مسلمانوں کو حضور سیّد عالم ﷺ سے برگشتہ کر رہے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کا ایک بڑا کارن ان نام نہاد مجاہدین کے وہ "سیاہ کارنامے" ہیں جو انہوں نے انگریزی استعمار کو دوام بخشنے کیلئے اپنے ہی وطن کی فرماں روا قوتوں کو کچلنے کیلئے سرانجام دیئے۔ مغربی سامراج کی تربیت نے انہیں دوہری حکمت عملی اپنانے کا فن سکھا دیا تھا۔ مذہب و سیاست اور معیشت و معاشرت ان کی غارت کا نشانہ بن رہے تھے۔ وہ ایک ہی اصول پر کاربند تھے ' انتشار و افتراق۔ عوام لڑ رہی تھی ' علماء حق لڑ رہے تھے۔

☆ اپنے تحفظ کیلئے

☆ اپنی سرزمین کے تحفظ کیلئے

☆ مذہبی عقائد و اقدار کے تحفظ کیلئے

مگر انگریز کے پروردہ 'مغربی تمدن کے شیر خوار' وظیفہ خوار مورخ و ملازم ان حق پرست مجاہدوں کو باغی 'حرامزادہ' بدمعاش اور کیا کچھ نہ کہتے رہے۔ انگریز کی ہر ادا پر فریفتہ اسے قرآن و حدیث سے ثابت کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان میں جدید معتزلہ 'قادیانی' پیروانِ ابن عبد الوہاب 'جدید اہل قرآن' جدید اہل حدیث اور منکرین صلح کلیت پیش پیش تھے۔ ان فرق باطلہ کے روسا نے ہر وہ رویہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں میں تقسیم کا عمل تیز تر ہو۔ انگریز آقاؤں نے ہر زر خرید مجاہد 'شہید' شیخ' حکیم' محدث' فقیہہ و مفکر کو امت مسلمہ کے چند متفقہ و مسلمہ عقائد و مسائل سپرد کر رکھے تھے کہ ان میں اپنی طرف سے ملاوٹ کر کے پر خلوص مسلمانوں کے اندر نفرت و جدال کو ابھاریں اور انہیں فرقوں میں بانٹ دیں۔ یہ لوگ کبھی امکان کذب اور امتناع النظیر کے مسئلہ میں کلام کرتے' کبھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم غیب نور و بشر 'استمداد' شفاعت' تعظیم و توقیر حضور ﷺ پر مباحثہ شروع کر دیتے۔ معجزات اور حیات بعد الموت کا انکار 'اذان و نماز میں اختلاف' غرض بہت سے تسلیم شدہ حقائق اور بنیادی عقائد سے منحرف اور نکتہ چیں تھے۔ کم علم اور انگریزی دان حضرات محض خوشنودی سرکار میں گمراہ ہوتے جا رہے تھے۔ عقائد و عبادات اور اخلاقیات کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مذہب کو اخلاقیات اور اخلاقیات کو مذہب کا درجہ مل گیا۔ عبادات کو رسوم اور تصوف محض انسان دوستی کا ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ سائنس اور دین میں اس طرح مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ دین کو سائنسی نظریات کا تابع بنا دیا گیا نہ جانے کتنی ہی گمراہیاں فلاسفہ و سائنٹیسٹ مغرب کے طفیل مشرقی ادیان خصوصاً اسلام کے پیروکاروں میں پھیلائی جا رہی تھیں ملت اسلامیہ کے چمن زار پر جھوٹے مدعیان نبوت زاغ و زغن کی طرح غوغا کناں تھے۔ امامت و خلافت کے نام پر قرآن و حدیث کی غلط تاویل و تعبیر کرنے والے مفسر اس کے شاخساروں پر آکاس بیل کی طرح پھیل رہے تھے۔ منکرینِ نور نبوت کے خفاش 'اپنی کمین گاہوں میں بیٹھے ہوا میں پھونکیں مار رہے تھے۔ دین میں تحریف کرنے والے اصلی دین کو زندہ کرنے کے دعویدار تھے۔ یونہی کفر و الحاد کی گھٹائیں امڈ رہی تھیں۔ حسرت و بیچارگی کا ایک المناک دور تھا۔ امت مسلمہ کی رگوں میں 'قومی خدمت اور احساس بیداری کے نام پر شاعر اور ادیب 'اندھیر انڈیل رہے تھے۔ تہذیب الاخلاق کے معلم اسوۂ رسول سے لحہ بہ لحہ دور ہوتے جا رہے تھے غلامانہ مفاہمت جو منافقانہ کردار کی علامت تھی کا درس 'نوجوان نسل کو دیا جا رہا تھا۔

امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کے دینی 'ملی' اخلاقی 'مذہبی' فکری و سیاسی اتحاد و استحکام کو جب بھی شر پسندوں نے مضمحل کرنے کی کوششیں کی تو اللہ تعالیٰ نے حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامہ علی راس کل مائۃ سنہ من یجددلھا امر دینھا کے مصداق تجدیدی ذمہ داریوں کی مناسبت سے اپنے عہد کے فاضل ترین آدمی کو متعین فرمایا جو باطل کے آلہ کاروں کو فکر و عمل کے ہر میدان میں شکست فاش دے کر اثبات حق کر سکے۔ ملوکیت کے طوفانِ بدتمیزی کو روکنے اور اس کے اثرات کو زائل کرنے کیلئے حضرت عمر بن عبد العزیز قدس

سرہ جیسا جری خلیفہ راشد سامنے آیا۔ اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ایک ملغوبہ ادیان کو رائج کرنے کی جسارت کی تو اسی جاہ و جلال کے مالک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کو بھیجا گیا۔ سیاسی انتشار کو روکنے اور اسلام اور اہل اسلام کی قوت و شوکت بحال رکھنے کیلئے شہنشاہ ہندوستان ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کا تعین ہوا اور یہ اسی کی برکت تھی کہ اسلامی سلطنت کی حدود برصغیر سے باہر تک پھیل گئیں اور وہ سلطنت جو پچاس برس پیشتر ختم ہو جاتی سو سال تک مزید دنیا کے نقشے پر اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔

سقوط دہلی سے صرف بہادر شاہ ظفر کی حکومت کا ہی خاتمہ نہیں ہوا' سفید سامراج کے ظالمانہ تسلط' بہیمانہ قتل و غارت اور غداران ملت نے وحدت ملیہ واسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ مسلمانوں کے مدارس تباہ' اوقاف پر قبضہ' مساجد منہدم' مقابر مقفل' امرا مفلس اور صاحبان عز و جاہ ذلیل ہو کر رہ گئے ایک تہذیبی سنگت تھی جو گذر گئی۔ اب نئے تمدن کے پجاری حج سے زیادہ "لندن یاترا" کو مقدم سمجھتے تھے۔ متاع کارواں تو جا ہی چکی تھی اب اس کا احساس زیاں بھی جا رہا تھا بلکہ اسے مغرب یاتریوں نے نیا رخ دے دیا تھا۔ سائنسی اکتشافات نے انقلاب برپا کر دیا۔ علوم بدلے' فکریں بدلیں۔ معاشرہ بدلا' معاشرے کے تقاضے بدلے' آج کا دور سائنسی منہاج پر اڑان لے رہا تھا۔ اب ایک ایسے بطل جلیل کی اشد ضرورت تھی جو انفس و آفاق کے علوم کا شناور ہو۔ جدید اسالیب شعر و ادب کا پارکھ ہو۔ احساس و جذبہ سے لے کر عقل و فکر و شعور تک کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہو۔ ایک ہاتھ میں علوم قدیمہ کے ستارے جگمگا رہے ہوں تو دوسرے ہاتھ میں سائنسی علوم و فنون کے قمقمے آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہوں۔ حسیات سے ماورائے حسیات اس کی دسترس میں ہوں۔ تصوف کے تجربات سے ذاتی طور پر آگاہ ہو۔ انسانوں کو مرکز توحید و رسالت پر یکجا کر سکتا ہو اور انہیں ذہنی غلامی اور اس کے کرب سے نجات دلا سکتا ہو۔ اب اس مجدد دین کی ضرورت تھی جو "محی الدین" حضرت شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نائب مناب ہو تاکہ دین کو پھر سے وہی آب و تاب نصیب ہو۔

اسلامی کیلنڈر میں رمضان المبارک' صبر و سکوت' عبادت و ریاضت' رحمت و بشارت' آزادی و مغفرت' نزول قرآن اور لیلۃ القدر کا مہینہ ہے اور یہ سب سعادتیں اس کیلئے جو صیام رمضان کی حرمت کی پاسداری کرے۔ قول و عمل سے' قلب و نظر سے۔ شہر رمضان کے بعد شوال المکرم۔ کامیابیوں اور کامرانیوں کی نوید جانفزاء کا مہینہ' مسرتوں کے دوبارہ عود و وصول کا مہینہ' عید کا مہینہ' مسلمان ایک طویل عرصہ سے ابتلاو آزمائش میں تھے۔ صوم کی حالت میں تھے غرہ شوال کی آمد آمد کا شہرہ بلند ہوا۔ نویدان عید سے ایک اور نوید سعید۔ ۱۰ شوال' ولادت امام احمد رضا' امام احمد رضا' تین لفظوں پر مشتمل' شخصیت کی تمام جہتوں کا جامع مظہر

امام علوم قدیمہ و جدیدہ کا عقدہ کشا' شریعت و طریقت میں پیشوا' مذہب و سیاست میں مقتدا'

معیشت و معاشرت میں رہنما۔

احمد شخصیت کا ایک اور پہلو تادمِ مرگ ، ہر نفس ہر گام ، قابل تعریف کام کرنے والا ، جس کی ہر بات اور ہر ادا قابل تعریف ، یہی نہیں حمد رب ذوالجلال اور نعت مصطفیٰ ﷺ میں سب پر سبقت لے جانے والا۔

رضا دینوی اور اخروی حیاتِ رضا کی ایک اور جہت خدائے بزرگ و برتر اور محبوبِ رب کائنات ﷺ کی خوشنودی و رضا پر سر تسلیم خم نفس مطمئنہ ، راضیۃ مرضیۃ ، والذین اتبعوا ہم باحسان کی راہ پر سختی سے عامل فوز عظیم کا حامل ، رضی اللہ عنہ و رضو عنہ کے زمرہ میں شامل۔

یہ تھے امام احمد رضا خان بریلوی۔ غیور خاندان کے غیور فرد۔

دادا مولانا رضا علی خان۔ جہاد آزادی میں شرکت کی بدولت جس کے سر کی قیمت لگادی گئی۔ زمینیں ضبط۔ گھوڑے چرالئے گئے۔ مگر مولانا رضا علی خاں ثابت قدم صاحب سیف و قلم۔ صاحب قلب و نظر۔

والد مولانا نقی علی خاں۔ جہاد آزادی میں "علماء کونسل" کے فعال رکن۔ عظیم مجاہد اپنے وقت کے بہت بڑے محقق ، مصنف ، معلم ، صاحب سلسلہ ، بانی مصباح التہذیب " حبِ رسول سے سرشار آنحضرت ﷺ کے بلند پایہ سیرت نگار۔

امام احمد رضا کو دینی ، ملی ، فکری حمیت و غیرت ، علم و عمل کی ہم آہنگی ، حضور پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ سے شیفتگی کی خصوصیات وراثتاً ملی ہیں۔ سات سال تک بچے کی شخصیت کا باطن پختہ ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا چھ سال کی عمر میں منبر پر بیٹھ کر میلاد شریف کے موضوع پر فصیح و بلیغ تقریر فرماتے ہیں۔ تیرہ سال دس ماہ کی مختصر عمر میں علوم دینیہ عقلیہ و نقلیہ سے فراغت پا کر ۱۲۸۶ھ میں رضاعت پر ایک محققانہ فیصلہ لکھ کر فتویٰ نویسی کا آغاز کرتے ہیں اور لگ بھگ پچپن سال تحقیق و تدقیق سے علمائے عرب و عجم کو مسخر کئے رکھا۔ برصغیر پاک و ہند میں تجدید دین کے سلسلہ میں دو نام نہایت معتبر ہیں اور دونوں قدرے مماثل ، اپنے تجدیدی کارناموں کے حوالے سے دونوں نام ، حضور ﷺ کے اسم مبارک "احمد" سے ماخوذ۔

توحید میں آمیزش کی گئی۔ تو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تشریف لائے۔

توحید رسالت کی توقیر کم کرنے اور تنقیص رسالت کی ناپاک کوشش کی گئی تو امام احمد رضا خاں بریلوی سامنے آئے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی مساعی سے دین الٰہی کا خاتمہ ہوا اور مغلیہ سلطنت مسلم حکومت کا روپ اختیار

کر سکی۔

امام احمد رضا' کی جدوجہد سے خلافتی دین کا استیصال ممکن ہوا اور مسلمان 'مسلمان رہ سکے۔ کاروانِ حریت صحیح سمت کو رواں دواں ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی مجددیہ سلسلہ کے سربراہ 'ہزاروں اولیاء عظام آپ سے فیضیاب۔

امام احمد رضا رضویہ 'سلسلہ کے پیشوا 'امت محمدیہ میں صراط مستقیم پر گامزن افراد کی محبتوں اور امیدوں کے مرکز 'اہل سنت وجماعت کی شناخت۔

امام احمد رضا کی تجدیدی سعی بلیغ 'حضرت شیخ احمد سرہندی کی نورانی مساعی کا تسلسل اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ 'امام مہدی علیہ السلام کی آمد تک امام احمد رضا خاں ہی "مجددیت" پر فائز ہیں۔ اس لئے کہ یہ صدی ہمارے سامنے ہے اور علماء اہل سنت وجماعت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منقسم 'چہ جائیکہ وہ خود کوئی تجدیدی کارنامہ سرانجام دے سکیں۔ اپنے اپنے ذاتی مفادات کو امام بنائے دوسروں کی مدح سرائی میں مصروف اعلیٰ حضرت کی زندگی ہر مقام وہر لحہ آئینہ در ہنما ہے شرط یہ کہ ہم اپنی "انا" سے بلند تر ہوں اور کوئی اور فرد بھی اس مرتبہ کا نہیں ہوا جس کی ذات پر علماء وصوفیہ مجتمع ہوئے ہوں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی شخصیت پر اپنے عہد کے علماء محققین 'اور صوفیائے کبار جمع تھے۔

فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کی حیاتِ مبارکہ کے علمی پہلو پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے مگر ابھی تک ان کی روحانی اور صوفیانہ زندگی کی تعلیمات و تجربات کا پہلو شاید تشنہ رہا ہے۔ کوئی بھی مجدد محض علمی مناظرات کی بدولت احیائے دین کے فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ تاج الفحول 'محب رسول مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے مشورہ سے ۱۲۹۴ھ میں مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ سیدؔ آل رسول مارہروی کے آستانِ رشک آسمان پر حاضر ہوئے 'بیعت و خلافت واجازت اور سندِ حدیث سے نوازے گئے۔ فاضل بریلوی نے تاج الفحول کی شان میں جو قصیدہ مبارکہ لکھا ہے اس میں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے

تیری نعمت کا شکر کیا کیجئے
تجھ سے کیا کیا ملا محبِ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا
اس سے بڑھ کر ہے کیا محبِ رسول
اوس کے در تک رسائی تجھ سے ملی
تو ہوا رہنما محبِ رسول

۲۶ شوال المکرم ۱۲۹۵ھ کو حج بیت اللہ زیارت روضہ رسول علیہ السلام والتحیہ کیلئے تشریف لے گئے سیدؔ

احمد وحلان کی مفتی شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتی حنیفہ سے حدیث، فقہ اور اصول تفسیر میں اسناد روایت حاصل ہوئی ہے۔ امام شافعیہ حسین بن موسیٰ جمل اللیل بغیر سابقہ تعارف گھر لے جاتے ہیں پیشانی کو غور سے دیکھتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں انی لا جدنور اللہ من ھذا الجبین اور صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔ ضیاء الدین (دین کی ضیاء) نام دیتے ہیں۔ مسجد خیف میں مغفرت کی بشارت ملتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی زندگی کا ایک ایک ثانیہ کہہ رہا ہے کہ وہ مادر زاد ولی تھے اور یہ وہ ازلی عنایت ربانی تھی کہ تفسیر و تعبیر قرآن و حدیث میں کہیں زبان و قلم اور قلب و نظر نے لغزش نہیں کی۔ برصغیر کے اس فقیہہ اعظم نے ہزاروں علمی، ادبی، فکری، سماجی، سیاسی، اخلاقی، روحانی، سائنسی مسائل پر اپنی تحقیقات پیش کی ہیں اور سینکڑوں مستقل تصانیف....... ان بے شمار علوم کا جائزہ لیں تو ان میں کتنے ہی علوم ایسے ہیں جن میں کسی بھی استاد سے اخذ کیا۔ نہ پڑھ کر، نہ سن کر، نہ باہمی گفتگو سے....... ان میں چودہ سائنسی علوم، دس علوم نقلیہ اور دس ادب و فن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی صرف تحصیل ہی نہیں کی ان میں اضافوں سے ترقی بھی دی۔ یہ سب کیا تھا؟ علام الغیوب نے حضور عالم، کان مایکون کی محبت واطاعت اور حضور غوث الاعظم کی غلامی کے طفیل انوار علیہ قلب و قلم رضا پر ضو فگن کر دیئے تھے۔ فاضل بریلوی کی باطنی نظر پر منکشف تھے۔

امام احمد رضا جہاں مقام مجددیت پر فائز تھے وہاں اپنے عہد کے قطب مدار بھی تھے۔ یہ رتبہ عالی، انہیں حضور غوث الاعظم سیدنا سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی غلامی اور محبت سے نصیب ہوا تھا فاضل بریلوی فرماتے تھے

میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا ہوں پہرا تیرا

اور فرماتے ہیں

تو قوت دے میں تنہا کام بسیار
بدن کمزور ، دل کاہل ہے یا غوث
عدو بدین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زور دل ہے یاغوث
دیا مجھ کو انہیں محروم چھوڑا
مرا کیا جرم حق فاصل ہے یاغوث
خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی
نبی قاسم ہے تو موصل ہے یاغوث

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ محض شاعری ہے، استغاثہ بحضور سید الاقطاب غوث الاعظم، سیدنا سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے تو اسے ان مقتدر حضرات کی اس فہرست کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے جن کی دہلیز پر ایک زمانہ ناصیہ فرسا ہے اور جنہیں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے مختلف ممالک میں تبلیغ ایمان و عرفان کے سلسلہ میں متعین فرمایا۔ صرف برصغیر ہی میں نہیں، عرب، بلاد مغرب، مشرق بعید، یورپ، افریقہ، امریکہ تک رابطہ پھیلا ہوا تھا۔ جن کے واسطہ سے اسلام اور تصوف اسلام کی روایات پختہ ہوئیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی صاحب دل ان کی سیرت کے اس پہلو کو نمایاں کرے۔ اس عظیم انسان کی عبادت وریاضت شاقہ کا تصور تو کیجئے جس کی پوری زندگی کا لمحہ لمحہ متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہو۔ وہ تو فنافی الرسول کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ ان کی ہر نسبت نبوی سے مقرون تھی۔ انہیں دیکھ کر اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس نظر آتا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کو سیدنا امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت و محبت تھی، فاضل بریلوی نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کا ہمیشہ اثبات واحترام کیا۔ "فتاویٰ رضویہ" کہنے کو تو مختلف مسائل پر امام احمد رضا خاں کی تحقیقی تحاریر ہیں۔ حقیقت میں علوم وفنون کا ایک سمندر موجزن ہے بارہ سو (۱۲۰۰) سالہ فقہی تاریخ کا ارتقائی باب ہے کتنے ہی پیش رو فقہیہ ہیں جن کی اجتہادی آرا کی تنقیح و تہذیب کی اور ان میں اپنی طرف سے اضافہ بھی ...... 'اقول' کہہ کر جب وہ دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں تو مسئلہ تو واضح ہو ہی جاتا ہے لیکن مخالف کیلئے راہ فرار بھی مسدود ہو جاتی ہے اور وہ تحریر ایک مستقل تصنیف تیار ہو کر سامنے آتی ہے۔ اس طرح کے سینکڑوں رسائل فتاویٰ رضویہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جس زبان میں استفتا آتا، اسی زبان میں جواب دیا جاتا۔ جس رنگ و ادا میں سوال کیا گیا۔ اسی رنگ و ادا میں جواب دیا گیا۔ جس فن کی بابت گفتگو ہوئی اس کی انتہائی تحقیق پیش کر دی ہے۔ یہی نہیں نثر کا اسلوب پر شکوہ اور شاندار ہے۔ جاندار اور توانا ہے۔ ان کا نظریہ اسلوب افادی اور مقصدی ہے۔ اس لئے کہ موضوع ہی اساس فکر رہتا ہے۔ انہوں نے کبھی عمدہ تزئین و آرائش کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے باوصف ان کے جملوں میں اندرونی آہنگ پیدا ہوتا ہے جو ایک لطیف سی مٹھاس لئے ہوتا ہے۔ ان کے اسلوب نگارش کا رعب اور دبدبہ اس وقت دیدنی ہوتا ہے جب مخالف کے بخیے ادھیڑ نے ہوں یا کسی گستاخ رسول کی خبر لینی ہو۔ زبان وبیان پر اس قدر عبور کہ محاورات مستعملہ کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔

قرآن عظیم کا ترجمہ "کنز الایمان" فاضل بریلوی کا وہ شاہکار ہے کہ جس پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ کنز الایمان نے بہت سے دلوں کے بجھتے چراغوں کو ایمان کی ضیاء سے جلا بخش دی۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوامی معجزہ ہے۔ رب ذوالجلال کا پاکیزہ و پر نور کلام۔ تحریف سے مبرا، اس کے اسلوب اہل عرب کے

مخصوص اسلوب سے بہتر و برتر اور منفرد، اس کی فصاحت و بلاغت انسان کی قوت تخیل و بیان کی رسائی سے بالاتر، کلمات و تراکیب بلند، لطیف اور شیریں، پھر بے تکلفی اور بے ساختگی پھر اس کے مضامین و مطالب کی گہرائی، گیرائی ہمہ گیری اور ناقابل مقابلہ قطعیت۔۔۔ جس سے صرف ایک واقف اسرار اور موز شریعت ہی آگاہ ہو سکتا ہے۔

مترجم کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دونوں زبانوں خاص کر جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس زبان کے کلچر اس کے ماخذات، اس کی تاریخی روایات، اس کے ارتقاء، لغت، روزمرہ و محاورہ، اس کے اسالیب، اس کی فکر، اس کی نظریاتی اساس، اس کی محبتوں، نفرتوں، اس کے علاوہ فلسفہ، منطق، کلام، غرض علوم متداولہ جو اس کیلئے ضروری ہیں، ان پر دسترس رکھتا ہو، مترجم کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی سرشت میں اطاعت ووفاداری، مختلف زبانوں کے اندر جنم لیتے ہوئے لسانی اظہارات اور مختلف مقامات و مراحل پر بدلتے ہوئے طرز سے فہم و ادراک رکھتا ہو۔ ابلاغ و اظہار کے متنوع اور موزوں ترین وسائل کو استعمال کر سکتا ہو۔ مترادف و مرادف الفاظ میں سے مناسب ترین الفاظ کے انتخاب پر قادر ہو۔

ان اصولوں کو پیش نظر رکھیں اور کنزالایمان کا مطالعہ کریں تو احساس ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے لفظوں کے انتخاب میں کتنے گہرے شعور اور فہم و فراست کا ثبوت دیا ہے اور پھر کہیں بھی قرآن مجید کے اسلوب کو مجروح نہیں ہونے دیا۔۔۔ اور۔۔۔۔ عشق بن یہ ادب نہیں آتا

صرف ایک لفظ "قل" کا ترجمہ ملاحظہ ہو

اشرف علی تھانوی ترجمہ کرتے ہیں "آپ کہہ دیجئے"

عبدالحق حقانی ترجمہ کرتے ہیں "اے نبی کہہ دو"

فاضل بریلوی ترجمہ فرماتے ہیں "تم فرماؤ"

تھانوی صاحب کے ترجمہ سے تاثر ابھرتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) خدائے ذوالجلال سے برتر ہستی کے مالک ہیں۔ یہ قرآن کا اسلوب بھی نہیں اور درست ترجمہ بھی نہیں۔ اسی طرح عبدالحق حقانی کے ترجمہ سے وقار نبوت کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ ان کے مقابلہ میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ "قل" ارشاد فرمانے والی ہستی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالاتر ہے۔ اسی لئے "تم" کے لفظ کا انتخاب کیا گیا اور ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ اور

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

علماء و حکما اور فقہا میں اس تحقیق و تجزیہ کی مالک شخصیت اور شاید ہی شعر و سخن کا اتنا عمدہ ذوق اور اتنا عظیم

شاعر بھی ہو۔ یہ دو متضاد پہلو ہیں جو "اجتماع ضدین" کا حکم رکھتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاعری اپنے معاصرین سخن وروں سے بہر نوع خوبصورت ہے۔

شاعری جمال ذات سے جنم لیتی ہے اور اس کے ادراک کیلئے شعورِ حسن و جمال اور شورشِ عشق و جنوں کے مدرکات و محسوسات سے انتشار ضروری ہے۔ اس کے عدم احساس سے ہم شاعر کی بصیرت کا سراغ لگانے میں ناکام رہتے ہیں۔ شاعر اپنی تخلیقی کیفیت کے دوران میں وسیع تر تجربات سے گزرتا ہے جو بعض اوقات اس کی عام منکشف حیات سے بظاہر بعید و غیر مربوط ہوتے ہیں۔ ان بے شمار تجربات کو وہ ایک خلاق و فعال ذہن سے منظم و مرتب کرتا ہے اس میں اشتعال جذبات کا ایک سیل بے کراں ہوتا ہے مگر حسن ترتیب سے۔

فاضل بریلوی کا مجموعہ کلام حدائق بخشش اردو نعت کا عظیم کلاسک ہے اس میں وہ تمام جواہر موجود ہیں جن سے ترکیب پاکر کوئی کتاب (یا شاعر اس حوالہ سے) کلاسیک کا مقام حاصل کرپاتا ہے۔ افکار میں معنوی بلندی، مضامین میں تنوع، فن پر مکمل گرفت، اسلوب میں تمکنت اور وقار، تاریخی، تہذیبی اور عصری شعور، سبھی دھارے اس دریائے بے کنار کا حصہ بنتے نظر آتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ بصارت و بصیرت پر سے تعصب و عناد کے پیدا کردہ حجابات اٹھادیئے جائیں اور بے لاگ اور دقتِ نگاہ سے کام لے کر مطالعہ کیا جائے۔

لیکن یہ تعصب اور عناد، تاریخ ادبیات اردو کے مورخین آج بھی اس کا شکار ہیں۔ محمد حسین آزاد نے "آب حیات" لکھا تو سنی شعراء کتاب بدر ہوگئے اور جتنے شیعہ تخلیق کار تھے ان کو آراستہ پیراستہ انداز میں صدر نشین کیا گیا۔ حامد حسن قادری نے "داستانِ تاریخِ اردو" رقم کی تو جس قدر جدید مذہب نواز، نیچری، تقویت الایمانی مصنفین تھے سب "داستان" کا حصہ بن گئے مگر "قادری صاحب" کی نظر خاندانِ رضا کی علمی ادبی مصنفات پر پڑتے ہی خیرہ ہوگئی۔ آج بھی کتنے "نعت" کے نام نہاد محققین اور مورخین ہیں جو حالیؔ پانی پتی، ظفر علی خاں، مہر تھی وغیرہ کو تاریخ نعت گوئی کا سالار و امام بنائے بیٹھے ہیں۔ مولانا حالی کے مسدس کے "بند" "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" فخریہ پیش کرتے ہیں اور یہ کبھی خیال نہیں کیا کہ مولانا حالی، تنقیص شان رسالت کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ ظفر علی خاں تو اپنی نعت میں تاریخی حقائق تک ملحوظ نہیں رکھ پائے۔ آداب رسالت کے تقاضوں کی انہیں کیا خبر۔۔۔ حالی کے ان بندوں پر معروف نقاد محمد حسن عسکری کی تنقید پڑھنے کے لائق ہے۔ تعلیم قرآن و سنت کی یہ شان دیکھنی ہے تو کلام امام احمد رضا کا نظارہ کریں مگر چشمِ قلب و نظر سے ؏

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمۂ رضا کہ یوں

تخلیق شاعر کی ہستی ظاہر و باطن کی عکاس و آئینہ دار ہوئی ہے۔ جہاں شعری تخلیق اور زندگی ہم آہنگ

ہوتے ہیں۔ اس کے ایک ایک شعر میں شاعر کا دل دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔ "حدائق بخشش" کا ایک ایک فن پارہ "کتاب وسنت" کی خوبصورت تفصیل و تفسیر پیش کر رہا ہے۔ فاضل بریلوی نے اگر یہ کہا کہ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

تو بجا ارشاد فرمایا ہے صرف ایک شعر جمالِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سماعت فرمایئے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

"خلقت مبراء" "من کل عیب" اور "گمان نقص جہاں نہیں" ایک ہی مطلب کے دو پہلو ہیں اور استعاروں میں تشبیہائی رنگ ملاحظہ ہو۔ آپ نے کہیں بھی کسی بھی شاخ پر کوئی بھی پھول بغیر خار کے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کوئی ایسی شمع نظر آئے گی جو دھواں نہ دے۔ اس میں سماجی حوالہ بھی ہے کہ یہ تشبیہ عہد اعلیٰ حضرت اور قمقموں کے دور سے پیشتر کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے اسی لئے جب کسی شعر کی تشریح کریں گے تو اس کے کلچر سے شناسائی بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے آج کل ایسے پھول تیار ہو رہے ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے بہت سے شعری فن پاروں میں سلام رضا ایک عظیم فن پارہ ہے اس کی تعریف کیلئے لفظوں کا انتخاب ممکن نہیں۔ جب سے مرحوم اختر الحامدی نے سلام رضا پر تضمین کی ہے بہت سے شعرا "لہو لگا کر شہیدوں میں نام کرتے ہیں" اعلیٰ حضرت کے نام و کلام کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب "سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ" میں اس بات کی وضاحت کی امکانی کوشش کی تھی کہ تضمین کیا ہے؟ اس کے حدود کیا ہیں؟ تضمین کی کامیابی کا انحصار کن باتوں پر ہے اور تضمین نگار کو کن خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔

بعض حضرات نے تضمین کے شوق میں اعلیٰ حضرت کے کلام کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ سلام رضا کی تضمین کو محض بچوں کا کھیل سمجھ کر تضمینوں پر تضمینیں کہہ ماری ہیں۔ ہم ایک بار پھر شعراء کرام سے عرض گزار ہیں "کلام رضا" کی تضمین کے علاوہ بھی شاعری کا میدان ہے۔ عبدالعزیز بریلوی کے مطابق سلام رضا خواص کی نظر کی عینک ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کلام پر بھی بعض کم سوادانِ سخن معترض ہوئے ہیں۔ سلام رضا کے متعلق اپنی بساط کے مطابق اعتراضات کا جواب لکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے عہد میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوا تھا جو علمی اور فقہی اعتراض تھے ان کے جواب خود اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمائے جو مختلف رسالوں کی صورت میں شائع ہوئے۔ فاضل بریلوی نے شاہ ابوالحسین نوری کی خدمت میں "مشرقستانِ قدس" کے عنوان سے قصیدہ پیش کیا جس پر مذاق میاں بدایونی کے حلقہ کی طرف سے اعتراض اٹھائے گئے اور ان کے جواب اور "مشرقستانِ قدس" کی تائید میں مولانا علی احمد خاں اسیر نے "مشرقستانِ اقدس" کے نام سے ایک رسالہ رقم کیا اس انداز کے ادبی

معرکے ہر دور میں ہر بڑے شاعر سے ہوتے رہے ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی سیاست و مذہب میں تفریق کے قائل نہ تھے لیکن وہ سیاست میں بے سمت ہنگامہ آرائی اور بے یقین قدم روی کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ ایک سیاسی مدبر و مفکر تھے سیاستدان نہ تھے۔ سیاستدان ابن الوقت ہوتا ہے۔ مدبر آدمی کے عزائم مستقل اور اٹل ہوتے ہیں۔ اس کی سیاست کا محور حق و باطل میں امتیاز ہوتا ہے۔ اس کا ہر قدم حق کے ساتھ ہوتا ہے۔

تحریک خلافت کا دور زبردست ہنگامہ آرائی اور جنوں گستری کا دور تھا۔ بڑے بڑے اس لاقانونیت کے سامنے بے بس، اقبال ان کے اخلاق سے بیزار، ان کی بدیانتیوں کے گلہ گزار، علماء حق ان کے خلاف اور یہ اکبر کے دین الٰہی کے احیاء کا عزم لے کر آئے تھے۔ ہندو مسلمانوں کو استعمال کر رہے تھے اور یہ انہیں اوتار کا درجہ دے رہے تھے۔ بحث چھڑ گئی۔ ہندوستان دار الحرب ہے کہ دار الاسلام اعلیٰ حضرت نے بات کی حق کی، اور یہ گروہ منحرفین ان کے شدید خلاف ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت کب خوف کھاتے۔ لیکن ان لوگوں سے اور تو کچھ نہ ہو سکا۔ ایک الزام لگانا تھا سو لگا دیا کہ۔ اعلیٰ حضرت نے انگریز کی مرضی کے مطابق فتویٰ دیا۔ یہ دور جذباتی نعرہ بازی کا دور تھا جھوٹ اتنا بولو کہ سچ لگنے لگے۔ اتنا جھوٹ بولا گیا کہ جو بزدل تھے وہ طاقتور اور بہادر بنا دیے گئے جو انگریزی سرکار کے وظیفہ خوار تھے وہ انگریز کے خلاف مجاہد بنا دیے گئے۔ مورخ کذب آفریں، کتابیں جعلی، عبارتیں جعلی جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

تمام شمس العلماء، نواب زادگان اور نواب صاحبان کا کردار سب کے سامنے ہے۔ فاضل بریلوی کے خاندان کے کسی فرد نے سرکار انگلیشیہ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ کوئی خطاب حاصل نہیں کیا۔ مخالفین و معاندین کی کتابیں خود اپنے احباب کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت صاحب بہادر آپ سے شرف تعاون بخشیں گے۔ اعلیٰ حضرت پر انگریز نوازی کا الزام بعینہ اسی طرح ہے جس طرح حسن بن صباح امام باطنیہ کے عہد میں فدائین کا خوف اور دہشت اس قدر زیادہ تھا اور عباسیہ اتنے بے بس تھے کہ وہ پھیلتے جا رہے تھے جس شخص کو سر عام دربار میں قتل کرانا ہو، اس کا نام فدائین سے منسوب کر دیا جاتا۔ بس اس کا قصہ تمام نہ تحقیق نہ تفتیش۔

زبانی روایات پھیلانے میں مہر گروپ بہت تیز ہے لیکن ہم اس سلسلہ میں صرف اتنا کہیں گے کہ کوئی ایک روایت تحریری، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فاضل بریلوی کسی انگریز کے دربار میں گئے ہوں یا کوئی انگریز افسر، ریذیڈنٹ وغیرہ ان سے ملا ہو۔

آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس

آج بھی اگر اہل سنت و جماعت ایک جانہ ہو سکے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی پر یہ چند تاثراتی صفحات بہ عجلت تمام لکھے گئے ہیں، حاضر علماء کرام سے معذرت کے ساتھ۔

(بشکریہ۔ ماہنامہ "القول السدید" مارچ ۱۹۹۷ء۔ لاہور۔ پاکستان)

کلام رضا میں معجزات خیر الانبیاء

از:۔ محمد علی رضا قادری۔ ممبئی

"امام احمد رضا خاں" علیہ الرحمتہ الرضوان۔ یہ نام آج کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عوام و خواص ہر ایک آج فاضل بریلوی کی محبت میں دیوانہ نظر آتا ہے نہ صرف ہندوپاک بلکہ جہان گیتی میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں۔ وہاں احمد رضا کے نام کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

اعلحضرت کی ذات جہاں علم و حکمت کا خزینہ ہے وہیں عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موجیں مارتا ہوا بحر ناپیدا کنار ہے۔ آپ کی تصنیفات' آپ کے اشعار' آپ کے اقوال' آپ کے احوال غرض کہ آپ کی مبارک زندگی کے ہر لحہ میں عشق رسول کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

یہ عشق کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری اداؤں کو' آپ کے مبارک اقوال و احوال کو' آپ کی طیب و طاہر سیرت پاک کو بڑے ہی محبت بھرے انداز میں اپنے اشعار میں بیان فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزات کو بھی بڑے ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔ راقم کو اپنی کم علمی کا احساس ہے بس ثناخوان رضا میں اپنے آپ کو بھی شامل کرنے کی غرض سے معجزاتِ رسول پر مشتمل اعلحضرت کے چند اشعار کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولیٰ عزوجل اپنے ولی کے صدقے و طفیل میری اور اہل خاندان کی مغفرت فرمائے ۔ آمین۔ بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

معجزہ شق القمر :۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات عظیم تر ہیں۔ لیکن یہ معجزہ اپنی مثال آپ ہے ۔کفار قریش کے اصرار پر حضور نے اپنی انگشت مبارک کے ایک اشارے سے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا تھا اور پھر اشارے سے ہی دوبارہ جوڑ دیا تھا اس واقعہ کو عامۂ کتب احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اب ذرا تصور میں اس نظارہ کو دیکھئے اور فاضل بریلوی کے ان اشعار کو پڑھیے۔

جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی (ﷺ)

سبحان اللہ! حضور کے معجزے کے بیان کے ساتھ ہی حضور کی محبوبیت کو بھی بیان فرمایا ہے۔

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا

اس شعر میں "شق قمر" کے ساتھ ساتھ "رجعت شمس" کو کر بھی فرمایا ہے۔

کتنا پیارا انداز ہے کہ یا رسول اللہ! اتنے عظیم معجزہ کے اظہار کیلئے صرف اپنی مبارک انگلی کا ایک اشارہ ہی فرمایا اور چاند چر گیا۔

ماہِ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو

مصطفےٰ پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

اس شعر میں بھی دونوں معجزوں کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی خداداد قدرت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! ایسے پیارے انداز میں اتنے عظیم واقعہ کو بیان کرنا یہ صرف فاضل بریلوی کی ہی شان ہے۔

رجعت شمس :۔ مقام صہباء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نیند مبارک پر اپنی عصر کی نماز قضا فرمادی تھی۔ جاگنے پر حضور نے دعا فرما کر ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا لیا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا فرمائی۔ اب اس موقعے کو اعلحضرت کے اشعار میں ملاحظہ فرمایئے۔

اوپر کے دو اشعار بھی اس معجزے کو بیان کرتے ہیں۔ دوسرے شعر میں یہ الفاظ ایمان کو تازہ کر دیتے ہیں۔

کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو

معجزہ کے بیان کے ساتھ اس بات کا بھی اعلان فرما رہے ہیں کہ خدائے پاک کی کل مخلوقات آپ کے حکم کی تابع ہے اور آپ کی اطاعت پر مامور ہے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک

اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

اس شعر میں بھی دونوں معجزوں کو شامل کیا ہے۔ اور ساتھ ہی منکروں کو دعوت فکر بھی دے رہے ہیں کہ حضور کو بے اختیار کہنے والوں، حضور کی قدرت اور اختیار کو ان معجزوں میں تلاش کرو شائد کہ تمہاری ایمان سے اندھی آنکھوں میں کچھ روشنی ہو سکے۔

صاحب رجعت شمس و شق القمر

نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

یہ شعر آپ کے مشہور سلام کا شعر ہے۔ معجزوں کے ذکر کے ساتھ معجزوں کا اظہار کرنے والے مبارک ہاتھوں پر سلام بھی عرض کر رہے ہیں۔

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا

گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

عرض کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! دنیا کی ساری چمک دمک آپ ہی کے لیے ہے۔ تبھی تو آپ کے اشارے سے چاند ٹکڑے ہو جاتا ہے اور سورج غروب ہونے کے باوجود لوٹ آتا ہے۔"

چاند سے کھیلنا :۔ احادیث میں وارد ہے کہ حضور علیہ السلام جب حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایام رضاعت گذار رہے تھے۔ ان دنوں اپنے مبارک جھولے میں لیٹ کر انگلی مبارک کے اشارے سے چاند کو جنبش کراتے رہتے۔ اسی مضمون کو اعلیٰحضرت نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

اعلیٰحضرت کے عشق کا انداز دیکھئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بچپن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس معجزہ کی یوں تشریح کرتے ہیں گویا حضور اپنے جھولے میں لیٹ کر چاند سے کھیلا کرتے تھے۔ چونکہ آپ خود نور تھے اس لئے آپ کا کھلونا بھی نور کا ہی تھا۔

بے زبانوں کو گویائی عطا کرنا :۔ احادیث میں موجود ہے کہ کئی مرتبہ حضور کے دست مبارک کی برکت سے کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور کبھی حضور کی رسالت کی شہادت دی۔ اعلیٰحضرت بیان کرتے ہیں۔

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

حضرت عیسیٰ کے لب ہلتے تو مردے زندہ ہو جاتے۔ یقیناً یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ لیکن سرکار کی شان تو یہ ہے کہ آپ لب نہیں ہلاتے صرف دست مبارک کی ہی برکت سے کنکروں میں جان آجاتی ہے۔ مردوں میں تو پہلے جان تھی۔ لیکن کنکروں میں تو اس کا وجود ہی سرے سے نہیں۔ تو پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھ کر حضور کا یہ معجزہ ہے۔

اور صرف کنکر ہی نہیں آپ کی بارگاہ میں تو پیڑ اور جانور بھی صلاۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت اپنے دوسرے اشعار میں ذکر کرتے ہیں۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد یہیں سے چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شترانِ ناشاد گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں
چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

انگلیوں سے پانی نکلنا :۔ روایات موجود ہیں کہ مختلف اوقات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کی کمی ہونے پر اپنے دست مبارک سے پانی کے چشمے جاری فرمائے ہیں اور صحابہ کرام کی تشنگی دور فرمائی ہے اب اعلیٰ حضرت کے عشق بھرے انداز میں ان روایات کی ترجمانی پڑھیے۔

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہے جاری
جوش پر آتی ہے جب غمخواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں

باقی صفحہ نمبر: 63

امام احمد رضا خاں کے والد ماجد

حضرت مولنا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

از :۔ محمد حسن قادری بریلوی۔ ریسرچ اسکالر۔ بریلی شریف

امام الاتقیا مولنا مولوی مفتی محمد نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور مقتدر مفتی تھے۔

آپ کی ولادت ماہ جمادی الآخر یا رجب المرجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو محلہ ذخیرہ بریلی میں ہوئی۔

مفتی محمد نقی علی خاں کے والد ماجد امام العلماء حضرت مفتی رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ اپنے وقت کے قطب، ولی کامل اور روہیلکھنڈ کے ممتاز ترین علماء میں تھے۔ آپ نے جمعہ اور عیدین کے لیے عربی زبان میں خطبات تصنیف کیے جو آپ کے شاگرد و مرید مولوی محمد حسن علمی بریلوی نے ترتیب دے کر "خطبات علمی" کے نام سے شائع کیے یہ خطبات برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش میں آج بھی جمعہ و عیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔ خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولنا محمد حسن علمی کے ہیں اسی لیے خطبات علمی پر مولنا محمد حسن علمی کا نام بحیثیت مؤلف لکھا ہے۔

امام الاتقیا مفتی محمد نقی علی خاں کا نسلی علاقہ افغانیوں کے معروف قبیلہ بڑیچ سے ہے۔ قبیلہ بڑیچ افغانیوں کا مؤقر و معزز قبیلہ ہے جس میں جلیل القدر انبیا، علما، صوفیا و مشائخ ہوئے ہیں ان کے مزارات افغانستان و ہندوستان میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ قبیلہ بڑیچ کا مستند شجرہ اس قبیلہ کے معروف صاحب علم و فن والیٔ روہیلکھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف تصنیف "خلاصۃ الانساب" میں حضرت آدم علیہ السلام تک درج کیا ہے۔

مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ علوم و فنون کا درس اپنے والد ماجد امام العلماء مولنا مفتی رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ آپ بچپن سے ہی پرہیزگار اور متقی تھے اور کیوں نہ ہوتے امام العلماء کے زیر تربیت رہے پرہیزگاری کا جوہر امام الاتقیا کو ورثہ میں ملا تھا پھر بفضلِ خداوندی میلان طبع بھی نیکی کی طرف مائل تھا۔ آپ علم و عمل کے بحر ذخار تھے آپ کی ذات مرجع علماء و خلائق تھی آپ کی آرا و اقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے کثیر علوم میں تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ علم القرآن، تاریخ، ہندسہ، عقائد و کلام فقہیہ (جملہ مذاہب) اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث وغیرہ اٹھائیس علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

بیعت و خلافت :۔ امام الاتقیا مفتی محمد نقی علی خاں بریلوی اپنے صاحبزادے امام احمد رضا خاں فاضل

بریلوی اور مولنا عبد القادر بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ ۵ جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول قادری 'برکاتی رحمتہ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اسی مجلس میں شاہ صاحب نے دونوں حضرات کو خلافت وجملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔

تلامذہ :۔ امام الاتقیا کے مندرجہ ذیل شاگرد معروف زمانہ ہوئے۔

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲) استاذ زمن مولنا حسن رضا خاں (۳) مولوی برکات احمد (۴) مولوی ہدایت رسول لکھنوی (۵) مفتی حافظ بخش آنولوی (۶) مولوی حشمت اللہ خاں (۷) مولوی سید امیر احمد بریلوی (۸) مولوی حکیم عبدالصمد صاحب بریلوی۔

فقیہہ حنفی :۔ مولنا نقی علی بر ۔ ۔ کو سیدنا شاہ آل رسول رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ سند فقیہہ حضرت شیخ عبدالرحمن حنفی مکی سے بھی حاصل تھی حضرت شیخ مکی کا سلسلہ سات واسطوں سے حضرت شیخ بن یونس شلبی تک پہنچتا ہے اور حضرت شیخ شلبی کا سلسلہ سولہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

عاشقِ رسول :۔ حضرت مولنا نقی علی خاں بریلوی کو تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق تھا آپ کے ہر عمل سے عشق رسول کی جھلک نمایاں ہے۔ آپ کو سرکار کائنات سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی۔ سفر میں 'حضر میں 'گھر ہو یا عوام کا عظیم اجتماع ہر جگہ سنت رسول کی اتباع کی ترغیب و تلقین میں مصروف و مشغول رہے کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرمائی آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباع نبوی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ عوام ہوں یا علماو مشائخ 'حاجت مند ہوں یا سرمایہ دار و دانشور ہوں یا کم عقل سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کا ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

دینی و سیاسی بصیرت :۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہندوستانی معاشرہ ابتلاء و آزمائش کے دور سے گزرنے لگا اور ہزاروں بے گناہ افراد کو شہید کر دیا گیا 'محض شبہ کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ کالے پانی کی سزا دی گئی 'جلاوطن کیے گئے۔ ابن الوقت ضمیر فروش معاشرہ میں پیدا ہوئے جنھوں نے سرکار بہادر کے گن گائے اور بدلے میں خطابات اور جائیدادیں حاصل کیں ایسے روح فرسا دور میں حضرت امام الاتقیانے اپنی قوم کو بیدار کرنے اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے سیف کے بعد قلم کا سہارا لیا اور ہندوستانی عوام اور خصوصاً مسلمانوں کو عزم دیا حوصلہ دیا اور خود کفیل بننے کیلئے سہارا دیا مغربیت کے طوفان سے بچانے کے لیے آپ نے مسلمانوں کو ذہنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ اور مسلمانوں میں نئے عقائد کی تبلیغ کو روکنے کیلئے اور ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے "اصول الرشاد 'ازالۃ الاوہام 'اصلاح ذات بین مولات" وغیرہ کتابیں لکھیں اور عقائد فاسدہ کو مسلم معاشرہ میں پرورش پانے سے روکا۔ عیسائیت کی جانب سے حضور

نبی اکرم کی سیرت مقدسہ پر نازیبا حملے کیے گئے۔ آپ نے ان کا جواب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" لکھ کر دیا۔

ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلم ارباب فکر و دانش سرگرم رہے جن میں امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں کا نام سرفہرست ہے حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد سے ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہونے تک ۹۰ سالہ دور گزرا۔ اس عرصہ میں ملک کے عوام نے ملک کو آزاد کرانے کے لیے خود کو سنبھالا یعنی جس کام کا آغاز مولنا نقی علی خاں نے اپنی حیات میں کیا تھا اس کا انجام ۱۹۴۷ء میں آزادی کی نعمت کے طور پر ہندوستان کے عوام کو ملا۔

سفر آخرت :۔ مولنا نقی علی خاں بریلوی کا خونی اسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو وصال ہوا اور اپنے والد ماجد حضرت امام العلماء مولوی رضا علی خاں کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ آپ کا مزار مقدس سٹی اسٹیشن کے سامنے بہاری پور سول لائن میں مرجع خلائق ہے۔ جناب محمد اقبال خاں مصطفےٰ نوری صاحب کی کوششوں سے آپ کے مقبرہ کی تعمیر جدید کی گئی ہے گذشتہ چار سال سے انجمن عاشقانِ بلال انتہائی دھوم دھام سے عرس شریف منعقد کرتی ہے۔ امسال مفتی نقی علی خاں پر سیمینار بھی منعقد کیا گیا تھا جس میں ملک کے مشہور علماء دانشوروں اور اسکالروں نے مقالے پڑھ کر حضرت کی قومی و ملی و دینی کارناموں پر روشنی ڈالی۔

بقیہ :کلام رضا... انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

دونوں شعروں میں اس مبارک پانی کو "دریائے کرم" اور "ندی رحمت" جیسے حسین ناموں سے ذکر فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! یہ ہے عشق کہ محبوب کی ہر ادا کو دلنواز انداز میں پیش کیا جائے۔ مشہور سلام کے ایک شعر میں بھی اس معجزہ کا ذکر کیا ہے۔

نور کے چشمے لہرائے دریا بہے
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

خوشبوئے تن پاک :۔ احادیث موجود ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے کائنات کی سب سے بہترین خوشبو آتی تھی اور اسی خوشبو سے صحابہ حضور کا پتہ لگایا کرتے تھے۔ اعلحضرت فرماتے ہیں۔

گذرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر — رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر
ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں — جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
کیا مہکتے ہیں مہکنے والے — بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

کلام رضا میں اس قسم کے بے شمار اشعار بکھرے ہوئے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے سبب اتنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم حضرات سے عرض ہے کہ غلطیوں کی نشاندہی فرماکر حوصلہ افزائی فرمائیں۔

امام احمد رضا۔ پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی کی نگاہ میں

از:۔ سیّد صابر حسین شاہ بخاری۔ برہان شریف۔ پاکستان

صوفیائے پنجاب میں سلطان العلماء پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کا نام ممتاز و نمایاں ہے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ آپ مرد کامل 'عالم فاضل فقیہہ اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ آپ نے اسلام و مسلمین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے خلاف قلمی اور عملی جہاد فرمایا ہے' مرزا غلام احمد قادیانی نے جب مجددیت سے نبوت کا اپنا فریب جال پھیلایا تو آپ ہی نے مرزا کے کافرانہ دعوے پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ آج تک مرزائیت کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہے۔ آپ کی اس مساعی جمیلہ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی بنظر استحسان دیکھا ہے۔ مفتی گولڑہ مولانا فیض احمد فیض کے استفسار کے جواب میں خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"مرزا قادیانی کو شکست فاش دینے کے بارے میں حضرت پیر صاحب گولڑوی (علیہ الرحمۃ) کا ذکر خیر بریلی شریف میں نمایاں طور پر مجالس خاصہ میں ہوتا رہتا تھا' حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بڑی عزت و توقیر سے آپ کا نام لیتے اور آپ کی بعض تصانیف بھی وہاں موجود تھیں' حضرت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) گفتگو میں ان کے حوالے بھی دیتے رہتے۔" (۱)

مرزائیت کے رد میں "شمس الہدایت" اور "سیف چشتیائی" آپ کی لاجواب کتابیں ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق' اعلاء کلمۃ اللہ' الفتوحات الصمدیہ' فتاویٰ مہریہ" اور "ملفوظات مہریہ" بھی قابل ذکر ہیں۔ دنیائے تصوف کے اہم ترین نظریہ "وحدت الوجود" پر تو آپ ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کا مزار اس وقت گولڑہ شریف (اسلام آباد) میں حاجت روائے خلق ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اور پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ' ہم عصر و ہم زمانہ ہیں۔ دونوں کے درمیان اعتقادی ہم آہنگی' فکری یکسانیت اور سیاسی بصیرت میں موافقت اظہر من الشمس ہے۔ (۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ۔ مرجع المشائخ والعلماء ہیں۔ بلاد اسلامیہ اور دیگر کئی ممالک سے مشائخ عظام اور علماء کرام نے اپنے استفتاء اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بریلی شریف بھیجے ہیں۔ پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں دربار عالیہ گولڑہ شریف سے بھی چند استفتاء اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارسال کئے گئے تھے۔ جن کے جوابات "فتاویٰ رضویہ" میں چھپ چکے ہیں۔ (۳)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ایک معروف فتویٰ پر مشاہیر علماء و مشائخ کی طرح پیر سیّد مہر علی

شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ نے بھی ان الفاظ میں تائید و توثیق فرمائی ہے :-

"آپ کے استفسار کے متعلق جواباً گذارش ہے کہ اہل السنت کو اہل ہوا و بدعت کے لئے اشاعت امور ہوائیہ و بدعیہ میں امداد دینی نہ چاہیے۔ میں چونکہ مفتی نہیں ہوں لہٰذا مہر بھی نہیں رکھتا" ملخصاً (۴)

شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہ (سکنہ گوجھہ، راولپنڈی) فرماتے ہیں۔

"ایک دن میں اور مولانا عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمۃ 'اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ کے ناظم مراسلات ملک سلطان محمود ٹوانہ مرحوم کے پاس بیٹھے تھے 'ملک صاحب نے فرمایا کہ حضرت کے آخری دور میں جو خطوط آتے ان پر مختلف اشعار لکھے ہوتے' ایک دن میں مکاتیب سنا رہا تھا کہ ایک مکتوب کھولا اور یہ شعر پڑھا۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بیقرار　　　　روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

آپ نے پوچھا یہ شعر کس کا ہے ؟ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا'۔

"یہ شعر مولانا احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمۃ) کا ہے"

اس پر آپ نے فرمایا :-

"ایسا شعر کہنا ان ہی کی شان عالی کے مناسب ہے" ملخصاً (۵)

اعلیٰ حضرت گولڑوی کے محب صادق بابا فضل خان مٹھیالوی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ کے وصال کے تیسرے دن دربار شریف کی مسجد میں علماء کرام اور دیگر بزرگان عظام رونق افروز تھے۔ حضرت قبلہ غلام محی الدین شاہ المعروف قبلہ بابوجی علیہ الرحمۃ کی دستار بندی کا پروگرام تھا۔ اس سلسلے میں جب آپ سے بات کی گئی تو آپ نے فرمایا :-

"اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمۃ) فرماتے تھے کہ ہندوستان میں مولنا احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمۃ) اور مولنا محمد غازی خاں (علیہ الرحمۃ) ہی صرف ایسے ہیں جن کے عالم ہونے پر مجھے یقین ہے 'اس لئے مولنا محمد غازی خاں (علیہ الرحمۃ) کی دستار بندی کی جائے اور انھیں اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمۃ) کا جانشین بنایا جائے۔" (۶)

اگرچہ بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ اور اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ کی ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن اس ضمن میں درج ذیل روایت کو نظر انداز کرنا بھی سراسر ناانصافی ہے۔ مفتی غلام سرور قادری رقم طراز ہیں :-

"جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتلایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہلسنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا فرماتے سنا کہ عارف باللہ امام اہلسنت حضرت مولانا مولوی

سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) کی زیارت کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) حدیث شریف پڑھا رہے تھے' فرماتے ہیں' مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔" واللہ اعلم بالصواب (۷)

مولانا پیر محمود احمد قادری لکھتے ہیں :۔

"حکیم عبداللطیف فلسفی خاندان اطبائے لکھنؤ کے چشم و چراغ اور طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرنسپل تھے' نے ایک موقع پر بیان فرمایا تھا کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے ایک امتحان کے موقع پر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی سابق صدر امور مذہبی حیدر آباد دکن نے اکابر علماء حضرت مولانا حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی' حضرت "مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی "۔ استاذ العلماء مولانا مشاق احمد کانپوری' حضرت مولانا سیّد سلیمان اشرف چیرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے دریافت کیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمامہ شریف میں کتنے پیچ ہوتے تھے؟ مولانا سید سلیمان اشرف نے فرمایا' اس کا جواب صرف مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ دیتے مگر افسوس کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں! مولانا کے اس فرمان کی تمام علماء نے تائید کی۔" (۸)

حواشی و حوالے

(۱) مجلہ عرفان منزل کراچی مصلح الدین نمبر ۱۴۰۵ھ ص ۲۴۰

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے :۔

(۱) شاہ حسین گردیزی' مولانا : قران السعدین مشمولہ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی مئی جون ۱۹۷۹ء

(۲) سیّد زاہد سراج القادری مولانا : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی۔ مشمولہ سالنامہ معارف رضا کراچی ۱۹۹۴ء

(۳) نواب الدین گولڑوی مولانا : عقائد سنیہ مہریہ مطبوعہ لاھور ۱۹۸۳ء

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے :۔

امام احمد رضا بریلوی' اعلیٰ حضرت : العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ مطبوعہ کراچی ج ۳ ص ۲۶

: ج ۷ ص ۴۸۹

: ج ۱۰ نصف آخر ص ۳۲

(۴) امام احمد رضا بریلوی' اعلیٰ حضرت : الدلائل القاھرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ۔ مشمولہ رسائل رضویہ ج ۱ (مرتبہ علامہ اختر شاہجہانپوری) ص ۳۲۵ مطبوعہ لاھور

(۵) شاہ حسین گردیزی مولانا : قرآن السعدین مشمولہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مئی جون ۱۹۷۹ء ص ۳۴

(۶) ایضاً گردیزی مولانا : قرآن السعدین مشمولہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مئی جون ۱۹۷۹ء ص ۳۴

(۷) غلام سرور قادری' مولانا : الشاہ احمد رضا بریلوی مطبوعہ لاھور ۱۹۷۶ء ص ۱۰۳

(۸) محمود احمد قادری' مولانا : مکتوبات امام احمد رضا بریلوی مطبوعہ لاھور ۱۹۸۶ء ص ۱۸

مسلمانوں سے دو باتیں

از :۔ سید اولادرسول قدسی مصباحی۔ ایم اے (انگلش)

آج ہم جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں کسی کو چنداں بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص خواہ حساس ہو یا غیر حساس، عالم ہو یا جاہل خوب محسوس کر رہا ہے کہ دن بدن ہمیں کس قدر گوناگوں پریشانیوں سے سابقہ پڑ رہا ہے نہ کہیں ہماری عزت ہے اور نہ کوئی وقار، نہ کوئی پرسان حال ہے اور نہ مونس و غم خوار۔ عظمت اور وقار کی بات تو بہت دور ہے حتی کہ ہمیں کوئی ہمارا جائز حق بھی دینا نہیں چاہتا۔ نہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ سچ تو یہ ہے حق تو درکنار مطالبۂ حق بھی ایک عظیم گناہ تصور کیا جا رہا ہے۔ وہ حضرات جن کی کوئی وقعت نہیں آج وہ بھی ہمارے سامنے سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ ہماری حالت بعینہ اس سپاہی کی طرح ہے جس کے جسم پر زخموں کی بہتات ہے مگر اس کے باوجود چاروں طرف دشمنوں کی خونخوار تلواریں اب بھی سر پر منڈلا رہی ہیں۔

یہ کہنا مکمل غلط ہے کہ فلاں مشن یا فلاں تحریک ہمارے درپہ آزاد ہے اور ہمیں نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی ہے اور ہم مجبور و مظلوم بنے ہوئے ہیں۔ ایسا کہنا در حقیقت اپنی خامیوں اور غلطیوں پر پردہ ڈالنا ہے اور اگر کوئی مذکورہ علت پر ہی مصر ہو تو پھر ذرا وہ تاریخ کی ورق گردانی کر کے بتائے کیا آج سے چودہ سو سال پہلے اور اس کے بعد بھی دریدہ دہنوں کی کمی تھی، شر و فساد سے لبریز ذہنوں کی قلت تھی اور کیا اسلام اور اس کے پیروکار کے استحصال کے لئے ہر چہار جانب تحریکیں نہیں کام کر رہی تھیں۔ یہ کہا جائے تو قطعی بے جا نہ ہوگا کہ اس سے پہلے جس قدر مخالفوں اور فسادیوں کا اژدحام تھا آج اس کا عشر عشیر بھی دیکھنے کو نہیں ملتا پھر کیا وجہ ہے کہ کل مسلمان نہایت کمزور قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود ہر محاذ پر کامیابی و کامرانی سے سرفراز ہوتے رہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بدر و حنین کی کیا تخصیص مٹھی بھر مسلمانوں نے قیص و کسریٰ کے تخت و تاج کو بھی پل بھر میں تاراج کر کے دنیا والوں کو بتا دیا کہ کامیابی کی ضامن مادی قوتیں نہیں ہوتیں بلکہ ایمان و عمل کی طاقتیں ہیں۔ ابو جہل کو کون نہیں جانتا جس کا شمار سورمائے عرب میں ہوتا تھا جس کی جواں مردی و بہادری ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی تبھی تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! عمرین میں کسی ایک سے اسلام کی شوکت کو دوبالا فرما دے۔ واضح رہے کہ ابو جہل کا نام عمر بن ہشام ہے یہ الگ بات ہے کہ حضرت عمر فاروق کو خداوند قدوس نے قبول کیا اور انہیں اسلام کی لازوال دولت سے سرفراز فرما کر ان کے ذریعہ اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا۔ یہ جان کر آپ حیرت و استعجاب کی انوکھی تصویر بن جائیں گے کہ ابو جہل کا قاتل نہ صدیق اکبر کی تلوار ہے اور نہ عمر فاروق کی نہ عثمان غنی کا خنجر خونخوار

ہے اور نہ حیدر کرار کی ذوالفقار بلکہ اسے مدینہ کے کسان کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں یعنی حضرت معاذ و معوذ کے تیروں نے ہلاکت کے دہانے تک پہنچا کر یہ ثابت کر دیا کہ اگر سینہ میں محبت رسول کا سمندر موجزن ہو اور دل کے نہاں خانے میں جوش ایمانی کا اتھاہ ساگر ٹھاٹھیں مار تا ہو تو پھر بڑے بڑے قوی ہیکل اور جواں مرد دشمن اسلام کو ایک لمحہ کے اندر تہ تیغ کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے حقیقی عشق رسول ہی مسلمانوں کی کامیابی و ترقی کا ضامن ہے اور اس کے عدم کی صورت میں تباہی و بربادی۔

میرے اس دعوے کی پشت پناہی کے لئے اسپین کے زوال کا سبب پیش کرنا کافی ہوگا۔ کون نہیں جانتا ایک زمانے میں اسپین اسلام کا ایسا عظیم الشان مرکز تھا جہاں چاروں طرف اسلام کی کیف پرور بہاریں رقص کرتی ہوئی نظر آتی تھیں لیکن ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اسلام کی شان و شوکت دشمنان اسلام کی آنکھوں میں کھٹکتی رہی اور یہ دریدہ دہن اس بات کی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہے کہ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اسی طرح اسپین میں اسلام کی بڑھتی ہوئی جاہ و حشمت عیسائیوں سے دیکھی نہ گئی۔ ان لوگوں نے بڑی جد و جہد کی۔ نت نئی ترکیبیں نکالیں مگر اپنے مفسدانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن ایک مرتبہ جارج فرڈیننڈ کا گذر غرناطہ کے ایک ایسے چوراہے سے ہوا جہاں ایک نیم پاگل شخص کھڑا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کیچڑ اچھال رہا تھا اور اس راستے سے مسلمان گذرتے رہے مگر کسی کے اندر جوں تک نہیں رینگی۔ جب جارج نے یہ تعجب خیز منظر دیکھا تو فوراً اتر گیا اور پادریوں کے سامنے بھری محفل میں کہنے لگا کہ اب ہم اسپین سے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ عیسائیوں نے کہا تم تو عجیب انہونی اور لایعنی باتیں کر رہے ہو۔ مسلمانوں کا خاتمہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مٹھی بھر نہتے مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کے چھکے چھڑا دیئے تھے پھر ہم شماکس گنتی میں ہیں مگر جارج نے بڑے ہی وثوق و تیقن کے ساتھ جواب دیا کہ اب ہر مرحلہ مشکل نہیں بلکہ آسان سے آسان ترین ہے کیوں کہ مسلمان اپنے رسول کے خلاف گالیاں سن کر خاموش رہنے کا عادی بن چکا ہے اور اس کے اندر عشق رسول کی ذرہ برابر بھی رمق باقی نہیں رہی ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو سب کچھ گوارا تھا لیکن بانیٔ اسلام کی توہین اس کے لئے ناقابل برداشت تھی اور کسی کی زبان سے اپنے رسول کے سلسلے میں توہین آمیز جملے سن کر وہ آپے سے باہر ہو جایا کرتا تھا مگر اب وہ بات مسلمانوں کے اندر نہیں رہی جیسا کہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے غرناطہ کے ایک چوراہے میں دیکھا اور سنا ہے۔ لہٰذا اب ہم بڑی آسانی کے ساتھ انہیں نیست و نابود کر کے اسپین میں صلیب کا بول بالا کر سکتے ہیں۔ جب مسلمان اپنے رسول کی حفاظت نہیں کر سکتا تو پھر وہ قوم و مسلک کے تحفظ و بقا کا بیڑا کیسے اٹھا سکتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ عیسائیوں نے اسپین میں دھاوا بول دیا اور مسلمان گوناگوں ظلم و استبداد کا شکار بنتا رہا۔ بالآخر اسے پسپا ہونا پڑا اور پورا اسپین جہاں ہر طرف اسلام ہی اسلام تھا وہاں صلیبیوں کی باضابطہ حکومت قائم ہو گئی۔

مخالف اسلام کا یہ جاننا کہ عشق رسول کا کارفرما ہونا ہی ایک ایسی بنیاد ہے جو مسلمانوں کو کبھی مغلوب ہونے

نہیں دیتا اس سلسلے میں سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زریں کا ایک سنہرا واقعہ استدلال کے لئے کافی ہو گا۔

ایک مرتبہ کسریٰ نے اپنا ایک سفیر مدینہ بھیجا کہ وہ مدینہ پہنچ کر یہ پتہ لگائے کہ مسلمانوں کے اندر کون سی ایسی خوبی ہے جو انہیں شکست خوردہ ہونے نہیں دیتی اور وہ کون سا عاملہ ہے کہ جس کی بنیاد پر محمد رسول اللہ قیصر و کسریٰ پر غلبہ حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ منصوبے کے مطابق سفیر مدینہ آیا اور دیکھا کہ سرکار وضو فرما رہے ہیں اور صحابۂ کرام نے آپ کے گرد وارفتگی و دیوانگی کا حسین حصار بنا رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ سرکار کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے دیوانے زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ ہر ایک دوسرے پر حصول تبرک کی خاطر سبقت کر رہا ہے۔ اس کی حیرت مزید بڑھ گئی کہ صحابہ کرام سرکار کے وضو کے پانی کو کبھی اپنی آنکھوں سے لگا رہے ہیں تو کبھی سر پر تو کبھی چہرے پہ مل رہے ہیں جب وہ سفیر واپس ہوا تو اس نے کسریٰ کے سامنے جو بیان دیا وہ سننے کے لائق ہے کہ جس شخص کے متبعین کے اندر عشق کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ اپنے آقا کے وضو کے پانی کو بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تو پھر ان پر نہ کوئی غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ انہیں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ یہی وہ عشق کی انتہا ہے جو مسلمانوں کے اندر میدان جنگ میں نیا جوش اور نئی امنگ پیدا کرتی ہے تبھی تو مسلمان اپنے رسول کی محبت میں اپنے سر کٹانے اور مر مٹنے کو بازیچۂ اطفال تصور کرتا ہے اور دشمن کی تلواروں کی چمک کے اندر اسے جنت کی مہک محسوس ہونے لگتی ہے اور وہ مسکراتا ہوا خدا کی راہ میں خون سے وضو کر کے سجدۂ محبت ادا کرتا ہے۔

مختلف موقعوں پر متعدد مقامات میں غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ عشقِ رسول ہی مسلمانوں کے جوش و خروش کا اہم سبب ہے۔ چنانچہ یوروپ میں اس بات کو جاننے کے لئے کہ مسلمانوں کے اندر جوش و خروش کی علت کیا ہے مستشرقین کی ایک میٹنگ ہوئی۔ کسی کہنے والے نے کہا یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک ملک کا بادشاہ مر جاتا ہے تو اس مرنے والے کو لوگ فراموش کر دیتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اس ملک کی تہذیب بھی اسی کے ساتھ دم توڑ دیتی ہے اور تجربات شاہد ہیں کہ پھر وہ مردہ تہذیب دوبارہ زندہ نہیں ہو پاتی، مثلاً روم کی روما تہذیب اور ایران کی وسطی تہذیب ختم ہوئی پھر دوبارہ سر اٹھا نہ پائی مگر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب اور ان کا جوش و ولولہ کبھی بھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔ سارے لوگوں نے اس بات پر اتفاق رائے کیا کہ اس کا واحد سبب مسلمانوں کا عشقِ رسول ہے۔ دراصل مستشرقین نے یہ تجزیہ اس طرح کیا کہ ان میں سے کچھ اشخاص ترکی کے ایک ایسے دیہات میں پہنچے جہاں مختلف اللسان اور مختلف النسل مسلمانوں کو مجلس مدیح النبوی میں جمع ہوتے دیکھا تو وہاں سبھوں کے اندر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یکساں سرشاری و وارفتگی دیکھی اور اسی کو مسلمانوں کے جوش و خروش کا عاملہ قرار دیا۔

بلاشبہ جہاں عشق کا فقدان ہوتا ہے وہاں مغلوبیت و شرمساری مقدر بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج

عرب ممالک خواہ وہ لیبیا ہو کہ سعودیہ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان کے اندر عشق رسول مر چکا ہے کیوں کہ ان کے بیشتر علاقے امریکیوں کے شراب وشباب کے ناپاک اڈے بن چکے ہیں۔ مغربی ممالک نے عرب ممالک کو خرچ کے دباؤ میں ایسا جکڑ رکھا ہے کہ یہ ذہنی طور پر ان کے غلام بن کر رہ گئے ہیں اگر چہ یہ ظاہری طور پر اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں۔

ان سارے شواہد کے بعد ذرا ہم اپنے شب وروز کا سنجیدگی سے جائزہ لیں کہ ہمارے اندر کس قدر عشق رسول جلوہ فرما ہے۔ اگر ہمارے سینے میں رسول کی محبت ضوفشاں ہوتی تو ہم میں بے راہ روی وبد عملی پائی جاتی اور نہ ہمارے سامنے تباہی وبربادی کا بڑھتا ہوا سیلاب ہوتا۔ عشق ومحبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ محبوب کے ارشادات واحکام پر سر خم کر دیا جائے مگر آج تو مسلمان اپنی عقل کی کسوٹی پر زندگی کی صبح وشام گذارنا چاہتا ہے حالانکہ اگر عقل کو شرعی احکام پر فوقیت دی جائے تو پھر انسان کو قدم قدم پر منہ کی کھانی پڑے گی کیونکہ عقل خود خاطی اور جوشے خطا کی پیکر ہو بھلا وہ لائق اتباع کیسے ہو سکتی ہے دراصل آج کا فیشن ایبل اور خود کو عصری علوم وفنون سے آراستہ وپیراستہ سمجھنے والا انسان فلسفہ کی روشنی میں عقل کو حاکم اور مشاہدہ کو محکوم تصور کرتا ہے کیوں کہ جب مشاہدہ غلطی کرتا ہے تو عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے مثلاً جب رات کے وقت آسمان میں چاند ہو اور بادل دوڑتے ہوں تو اس وقت بادل کے ساتھ ساتھ چاند بھی دوڑتا ہوا نظر آتا ہے اگر چہ یہ ہمارے مشاہدہ میں ہے لیکن عقل فوراً رہنمائی کرتی ہے اور مشاہدہ کو متنبہ کرتی ہے کہ خبردار یہ مت سمجھنا کہ چاند بھی بادل کے ساتھ دوڑ رہا ہے یہ خطائے نظری ہے۔ اسی طرح جب ہم ٹرینوں یا بسوں سے سفر کرتے ہیں تو اثنائے سفر ٹرین اور بس کی رفتار کے ساتھ ساتھ درخت، پودے اور راستہ کے کنارے ٹھہرے ہوئے لوگ بھی ٹرین اور بس کے ہم لو چلتے اور دوڑتے محسوس ہوتے ہیں حالانکہ یہ بھی خطائے نظری ہے نہ آدمی دوڑتا ہے اور نہ درخت۔ عقل نظر کی اس خطا کی نشاندہی کر کے ہمیں بھٹکنے سے بچاتی ہے۔ انھیں وجوہات کی بنیاد پر انسانوں نے اپنی عقل کی روشنی میں عقل کو حاکم، فیصل اور رہبر ورہنما سمجھ کر عقل کے سہارے عمل کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر اس مسئلہ میں تدبر وتفکر سے کام لیا جائے تو یہ بات مترشح ہو جائے گی کہ جب عقل خود خطا کی خوگر ہے تو پھر وہ رہنمائی کیسے کر سکتی ہے۔ میرا یہ دعویٰ کہ عقل خاطی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ گیلی لیو جو ایک بڑا سائنس داں گذرا ہے نے اپنا قول یوں پیش کیا کہ آسمان گھومتا ہے اور زمین ساکت ہے پھر جب کوپرنیکس کا زمانہ آیا تو اس نے کہا کہ گیلی لیو کا قول مبنی بر اغلاط ہے بلکہ زمین گردش کرتی ہے اور آسمان ساکت ہے حالانکہ ان دونوں سائنس دانوں کے اقوال قرآن کی رو سے غلط ہیں کیوں کہ خداوند قدوس قرآن مجید پارہ ۲۲ میں ارشاد فرماتا ہے ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا۔ یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ زمین وآسمان کو گردش کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "فوز مبین در رد حرکت زمین" میں زمین کے ساکت ہونے پر ایک سو چار دلیلیں پیش کر کے پوری سائنسی دنیا میں

بلچل مچادی اور ہمیں ایک عظیم گناہ سے محفوظ و مامون فرمالیا۔ اگر کوئی عقل کی بنیاد پر سائنس دانوں کے ایسے اقوال پر ایمان رکھے گا تو ظاہر ہے وہ ضلالت و گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔ اللہ ہماری نسل کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

ہاں بات یہ چل رہی تھی کہ عقل خود خاطی ہے تبھی تو مذکورہ دونوں عاقلوں کے درمیان اختلاف رائے رونما ہوا اور دونوں کے اقوال متضادہ سامنے آئے حالانکہ دونوں اپنی عقل کی روشنی میں استدلال کررہے تھے۔ یہ تو تھا دو عقلوں کے مابین اختلاف اور یہ تھی ان عقلوں کی کھلی ہوئی خطا مگر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ دو عقلوں میں اختلاف تو ہے مگر ایک انسان کی عقل کبھی خطاؤں کی مرتکب نہیں ہوتی یہ بھی تجربات کے لحاظ سے مکمل غلط ہے کیوں کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک انسان کبھی کچھ فیصلہ کرتا ہے اور کبھی کچھ اور۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جب دو عقلوں میں اختلاف ہے تو ہم تیسری عقل کو رہنما تسلیم کریں گے تو ہم یہ کہیں گے کہ تیسری عقل بھی تو خطا سے محفوظ نہیں اس طرح یہ سلسلہ الی غیر النھایہ چلتا رہے گا پھر منطق کی اصطلاح میں تسلسل لازم آئے گا جو صریح البطلان ہے۔

یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مشاہدہ بھی خاطی' عقلاء کی عقلیں بھی ناقص اور خود انسان کی عقل بھی اب ایک ایسا ثالث ڈھونڈنا پڑے گا جو ہمیں مشاہدہ اور عقل کے اختلاف و خطا سے بچاکر صحیح سمت عطا کرے۔ ظاہر ہے اب تو نہ عقل ثالث بن سکتی ہے اور نہ مشاہدہ اس امر کو انجام دے سکتا ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ وہ ثالث الہام ربانی ہے جو عقل کے تمام اختلاف و انتشار کو دور کرکے ہمیں حقیقت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بجائے اپنی عقل کی رائے پر عمل کرنے کے اسلام کے مقدس اصول پر عمل پیرا رہیں اور یہی عمل دین و دنیا میں ہماری سرخروئی کا ضامن اور موجب نجات ہے۔ اگر مسلمان اسلام کے معنی پر اچھی طرح غور کرے تو پھر اس کا قدم کبھی بھی اسلام کے قانون کے خلاف اٹھ ہی نہیں سکتا۔ اسلام کا اصطلاحی معنی ہے۔ گردن نہادن در اطاعتِ خدا یعنی خداوند قدوس کی اطاعت میں سر بہ خم ہو جانا۔ حیف صد حیف آج مسلمانوں کو سب کی اطاعت گوارا ہے مگر خدا اور رسول کی اطاعت و پیروی کی بات آتی ہے تو مسلمان اس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسلام کے اصول کو آج ایک بار گراں تصور کیا جارہا ہے حالانکہ مرے نبی نے فرمایا"الدین یسیر"۔ یعنی دین آسان ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ دین کے اصول پر عمل نہ کرکے ہم نے اسے مشکل بنادیا ہے۔ اسلاف کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اسلام اور اسلام کے ضوابط سے کس قدر والہانہ محبت تھی کہ ان کی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نظر نہیں آتا جو اسلام کے اصول سے منحرف رہا ہو اخیر وہ بھی تو انسان تھے مگر انہوں نے اسلام کی اہمیت و افادیت کو اچھی طرح سمجھا تھا اور ان کا سینہ عشق مصطفی کا مدینہ تھا۔ کچھ ناعاقبت اندیش تو ایسے ہیں کہ اسلام کی جو بات ان کی ناقص سمجھ میں نہیں آتی تو اسے خلاف عقل قرار دے کر استہزا کرتے پھرتے ہیں یہ سخت نادانی اور سراسر جہالت ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ

جو قانون ہماری سمجھ میں نہ آئے اسے خلاف عقل کا درجہ نہ دیں بلکہ اسے بالائے عقل کہیں۔

آج ہم اپنی زندگی، معاشرہ اور اپنے سماج کا سنجیدگی سے تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم میں اسلام کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے۔ ہم نے اپنے سارے اوصاف اور اسلامی عظمت و وقار کو پس پشت ڈال دیا۔ غیر ہماری صفات کو اپنا کر بام عروج پر پہنچ گئے اور ہم دن بدن پستیوں کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں لیکن پھر بھی ہمارا احساس بیدار نہیں ہوتا۔ بار بار ٹھوکریں لگتی ہیں تب بھی ہم نہیں سنبھلتے۔ آخر یہ جمود و تعطل کیسا۔ دیگر ممالک کی بات چھوڑیئے اسی ہندوستان میں سالہا سال مسلمان حکمراں رہے لیکن آج ہندوستان میں مسلمانوں کی جو پوزیشن ہے نہ وہ قابل بیان ہے اور نہ صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کے لائق ہے۔

مسلمانو! اسلام کی گراں قدر بے بہا دولت ہمیں آسانی سے نہیں مل گئی بلکہ سخت جانفشانیوں کے بعد اسلام پھولا پھلا اور پروان چڑھا ہے۔ اسی اسلام کی ترویج و اشاعت کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خارزار وادیوں سے گذرنا پڑا، جسم اقدس پر پتھر کھانا پڑے اور اسی اسلام کی بقا و حیات کے لئے صحابہ کرام نے اپنا خون جگر پیش کیا اور امام حسین اور ان کے اعزا و اقارب نے اسلام کے لئے اپنی زندگی کا آخری قطرہ نچوڑ کر رکھ دیا مگر ہماری وفاداری یہ ہے کہ آج ہم بڑی بے دردی اور ڈھٹائی کے ساتھ اسلام کے مقدس اصول و ضوابط کو روندتے چلے جا رہے ہیں۔ لله آج بھی موقع ہے۔ آیئے ہم یہ عہد و پیمان کریں کہ اب ہم اسلام کے اصول کو اپنے سینے سے لگا کر دنیا کے سامنے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کریں گے اور مسلمان ہونے کی سچی پہچان زمانے کی پیشانی پر ثبت و نمایاں کر دیں گے۔ بلاشبہ اگر آج مسلمان اپنے ایمان میں روشنی اور عمل میں تازگی پیدا کر لے تو پھر وہ دن دور نہیں کہ ہماری ابتری برتری سے، تباہی ترقی سے، پستی بلندی سے اور زوال عروج سے بدل جائے گی۔ نتیجہ کے طور پر ایک بار پھر دنیا ہمارے قدموں پہ نچھاور ہو جائے گی۔ اور خداوند قدوس کی رحمتیں جھوم کر برسیں گی۔

مندرجہ ذیل اشعار کے ساتھ مضمون ختم کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہم آسمان زندگی پر اک قمر پیدا کریں
سارے جہاں میں جابجا روشن نگر پیدا کریں
اغیار کی پھر گردنیں خم ہوں ہمارے روبرو
ہم قوت بازوئے حیدر سا اثر پیدا کریں
نور خداوند دو عالم سے مجلی قلب ہو
ذکر نبی سے شام غم کی پھر سحر پیدا کریں
دنیا جھکائے سر عقیدت سے ہمارے روبرو
ایسا عمل پیدا کریں ایسی نظر پیدا کریں
اک مشعل راہ ہدایت ہو جہاں کے واسطے

پھر آیئے کردار اپنا اعلیٰ تر پیدا کریں

رحمان ہے، ستار ہے، غفار ہے، قہار بھی

قہار کی قہاریت کا کچھ تو ڈر پیدا کریں

قربت خداوند دو عالم کی میسر آئے گی

کشت خودی کی آبیاری کا جگر پیدا کریں

حور و ملائک پیکر حیرت ہوں ہم کو دیکھ کر

آؤ مسلمانو! وہ معیار بشر پیدا کریں

قدسی مہر و انجم ہمارے زیر پا آجائیں گے

عشق رسول حق دلوں میں ہم اگر پیدا کریں

ماہر دیوبندیات علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب کی جدید تحقیق

"کیا اعلحضرت امام احمد رضا اور مولوی اشرف علی تھانوی نے

ایک ساتھ دیوبند میں پڑھا تھا؟"

۵ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں

ناشر :- تحریک فکر رضا، 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی - 8

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش :- محمد احمد ترازی

اردو زبان میں تصوف، ولی سے اقبال تک

تبصرہ نگار : مولانا وارث جمال قادری۔ جنرل سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی

مصنف : ڈاکٹر محمد اسد اللہ پٹیل، قلمی نام اعجاز مدنی۔ شہرت بھی اسی قلمی نام سے!

ناشر : رضوی کتاب گھر ۴۲۳ مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶

صفحات : ۶۶۶ چھ سو چھیاسٹھ ہدیہ ۱۵۰ روپے۔ کاغذ معیاری کتابت غنیمت جلد خوبصورت و دیدہ زیب۔ ڈاکٹر اعجاز مدنی کا آبائی وطن موضع تاکلی راجے وایان جو مہاراشٹر کی مشہور ترین روحانیت کی جلوہ گاہ ناز خلد آباد شریف کے تعلقے میں آتا ہے۔ وہی خلد آباد شریف جہاں بائیسویں خواجہ کی چوکھٹ ہے اور جہاں پر زری زر بخش دولھا' خواجہ برہان الدین غریب سمیت سیکڑوں اولیاء کرام آرام فرما ہیں۔ سید العرب والعجم آقائے کائنات رحمتِ ہر جہان حضور پرنور سید عالم ارواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیرہن اقدس 'موئے مبارک و دیگر تبرکات شریف جہاں موجود ہے ہر سال ربیع النور کی بارہویں تاریخ کو جن کی زیارت کے لئے دیوانگان شوق کا قافلہ ہر چہار جانب سے امڈ پڑتا ہے۔ تا حدِ نگاہ انسانی سیلاب کی شکل میں رسولِ عربی کے غلام ہی غلام نظر آتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفٰے — آبروئے ما ز نام مصطفٰے

مجدد وقت شہنشاہ ابوالظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر غازی کو بھی روحانیت و ولایت کے اسی آماجگاہ میں کھلے آسمان کے نیچے آسودۂ خاک ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

ڈاکٹر اعجاز مدنی کا آبائی پیشہ کاشت کاری ہے۔ مہاراشٹر میں قابل ذکر زمینداروں کو پٹیل کہا جاتا ہے اور یہ پٹیل ہندو مسلمان دونوں کو عام ہے۔ اسی لئے وہ اپنے حقیقی نام کے ساتھ بالالتزام پٹیل لکھتے ہیں۔ مبلغ علم! ایم اے سماجیات ۱۹۷۳ء ایم اے لسانیات ۱۹۷۶ء ایم اے اردو ۱۹۸۸ء پی ایچ ڈی ۱۹۸۸ء ایم لب سائنس ۱۹۹۲ء یہ سب ڈگریاں انھوں نے ممبئی یونیورسٹی سے حاصل کیں۔

برہانی کالج مجگاؤں ممبئی ۱۰ میں ۱۹۷۳ء سے لیکر تادم تحریر بحیثیت لائبریرین ملازم ہیں۔ یہ کتاب دراصل ایک تھیسس یعنی ایک طویل تحقیقاتی مقالہ ہے جس پر محترم اعجاز مدنی صاحب کو ممبئی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ اس کتاب کے علاوہ موصوف کی اور بھی علمی و قلمی خدمات ہیں وہ ایک طویل عرصے سے متعدد زبانوں میں مسلسل لکھ رہے ہیں اردو ہندی انگریزی اور مراٹھی میں! موصوف ہندی مراٹھی اور انگریزی کے بہترین مترجم بھی ہیں۔

میرے سامنے منشیات و انسداد منشیات پر ڈاکٹر یوسف آدم مرچنٹ کی ایک معرکۃ الآراء انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ جہازی سائز میں "گرد کے شکار جنون و آثار ہندوستانی پس منظر میں" رکھا ہوا ہے جو نہایت عمدہ' شستہ ادبیت سے معمور بامحاورہ طبی اصطلاحات و مترادفات سے آراستہ! یہ صرف ایک مثال ہے۔ اپنے صحرا

میں ابھی آہو بست پوشیدہ ہیں۔

زیر نظر کتاب "ولی سے اقبال تک" اپنی صوری دلآویزی کے ساتھ اپنے اندر معنوی حسن کا ایک ذخیرہ لیے ہوئے ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر نفس موضوع ہی کی طرح بڑی انفرادیت وجاذبیت کی حامل ہے اور اہل ذوق واہلِ نظر کے لئے ایک مقناطیس' ایک جہان حیرت وسر خوشی اور ایک گلکدۂ فردوس بھی! ۔ تجھ کو دیکھوں کہ تجھ سے بات کروں۔

بنیادی طور پر یہ کتاب ایک مقدمہ اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے

باب اول :اردو غزل کا پس منظر۔ جس کے تحت مصنف نے

(الف) سماجی ومعاشی پس منظر (ب) تاریخی وسیاسی پس منظر (ج) ادبی وفکری پس منظر (د) اردو غزل کی تاریخ (ز) اردو غزل کی زبان (س) غزل کے مضامین (ش) دو ادبی اسکول دلی ولکھنؤ کی بحث پر قلم کی ہے اور اپنے قاری کو وافر مقدار میں مثبت ہمہ جہت اور مفید معلومات فراہم کی ہے بالخصوص شمالی 'مشرقی اور مغربی ہندوستان میں اسلام کی آمد آمد سے لیکر یہاں سے مسلمانوں کی سیاسی بے دخلی وبے اقتدار ہونے تک بلکہ اس کے بعد تک بھی ایک تاریخی جائزہ 'ایک تنقیدی تبصرہ مختلف ادوار کی تصویر کشی علماء دین۔ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کی عظیم خدمات کا تذکرہ وغیرہ!

باب دوم : اصطلاحاتِ تصوف ہے جو ایکسو سولہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ خود ایک کتاب کی حیثیت لیے ہوئے ہے یہ باب پوری کتاب کی جان ہے جو اس لائق ہے کہ علماء دین وارباب علم وفضل اس سے خصوصی اعتناء فرمائیں خود مصنف نے اپنے مقدمہ میں اس باب کا بطور خاص ذکر بھی کیا ہے بے شک تصوف کی باریکیوں اس کی موشگافیوں اور اس کے حقائق تک نہیں پہونچا جاسکتا ہے جب تک اس کے اصطلاحات کو نہ سمجھ لیا جائے۔ اسی لئے کبھی کبھی جلیل القدر اولیاء کرام کے فرمودات اور ان کے بعض اقوال پر کان کھڑے ہو جاتے ہیں سخت الجھن ہونے لگتی ہے اور ایک انقباض طاری ہونے لگتا ہے۔ اس لئے تصوف میں کلام کرنے کے لئے اصطلاحات تصوف سے واقفیت بے حد ضروری ہے۔ اور تصوف وحاملینِ تصوف کو جاننے سمجھنے کے لئے اس کی اصطلاحات کا علم ضروری۔

تو چہ دانی زبان مرغاں را
کم ندیدی گہے سلیماں را

باب سوم :۔ تصوف کیا ہے ؟ یہ کتاب کا دوسرا سب سے اہم باب ہے جو ایکسو چھ صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی تصوف صرف قرآن وحدیث اور سیرت طیبہ پر مبنی ہے۔ تصوف 'حاملین تصوف 'اور ناقدین تصوف پر بہت کھل کر 'جم کر بڑی مدلل ومبرہن گفتگو کی ہے 'جس میں محبانہ شکوہ بھی ہے! معاصرانہ گلہ بھی ہے! دلسوزی بھی ہے' درد بھی ہے' اپیل بھی ہے اور چیلنج وللکار بھی! تصوف پر کلام

کرتے وقت انھوں نے ناقدین تصوف کو ناسمجھ اور ضدی ہمسایوں کی طرح پہلو بہ پہلو رکھا ہے 'مستشرقین کو آخر میں جگہ دی۔ ناقدین تصوف کا محاکمہ بھی کیا ہے اور محاسبہ بھی! اور اس عنوان کے تحت تصوف و اہل تصوف کے خلاف ناقدین و منکرین و مانعین کی ہرزہ سرائیوں اور ان کے عقلی تانوں بانوں کو تار عنجوت کیا ہے۔

الغرض منکرینِ تصوف و دشمنانِ تصوف کا اس کتاب میں جواب بھی ہے علاج بھی!

ناقدینِ تصوف کے ایک خاص طبقے سے تو ہم پہلے ہی کسی حد تک آگاہ تھے۔ مگر تصوف و حاملین تصوف' کے خلاف عقیدہ و فکر کی غلاظتوں کا انبار اور ان کی بیہودہ گوئی و ہرزہ سرائی اور بازاری لونڈے پن کو اتنی وافر مقدار میں اکٹھا پہلی بار ایک جگہ دیکھا گیا العیاذ باللہ العی العظیم ؎

انھیں بھی توڑ لیا ب کے گل فروشوں نے
وہ پھول جن کو بہاروں کی آبرو کہئے

جس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ ناقدین کی جماعت علی العموم ۹۵ فیصد ان لوگوں پر مشتمل رہی جو عقیدتاً نجدی وہابی' پیشے کے اعتبار سے پروفیسر اور دانشور' جنھیں مغربی تعلیم کی غالب ترین آمیزش نے بدمست و بے لگام بنایا۔ سعودی ریال اور پٹرو ڈالر کی بہتات نے بڑا کلیدی رول ادا کیا اور اس نے کافی تعداد میں بے ضمیر و بددیانت قلم فروش و قلم کے مزدور پیدا کیے۔

پانچ فیصد ارباب نقد و نظر میسر بھی آئے تو کون سنتا ہے فغانِ درویش کے مطابق نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئے آزادی کے بعد اردو تنقید تنقیص بن چکی ہے۔ اسلاف و بزرگان دین کا مذاق ایک فن بن گیا اور اس حمام میں جو جتنا ہی زیادہ ننگا ہوا وہ اتنا ہی بڑا ادیب و نقاد ثابت ہوا۔ قلم و ضمیر فروشی' بددیانتی ہی ہنر مانا گیا جو جتنا بڑا بے ضمیر و بددیانت تھا اتنا ہی بڑا صاحب فن ہوا اور فیصل ایوارڈ کا مستحق!

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

باب چہارم :۔ "اردو غزل میں تصوف خواجہ گیسو دراز بندہ نواز سے ولی تک"

اس باب میں حضرت امیر خسرو۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز' شیخ عین الدین گنج العلم' علامہ شیخ وجیہہ الدین گجراتی' شیخ بہاؤالدین باجن' سید شاہ علی جیو گام دھنی' قاضی محمود دریائی' شیخ خوب محمد چشتی' شیخ نورالدین نورانی کشمیری' ملک محمد جائسی' سید شاہ میراں جی' برہان الدین جانم' شاہ امین الدین اعلیٰ' سید شاہ ابوالحسن قادری' شاہ تراب چشتی' قلی قطب شاہ' عبداللہ قطب شاہ اور ابو محمد غواص' کل سترہ شعراء (جو اپنے زمانے کے باکمال و متبحر علماء دین' اولیاء اللہ و بزرگان دین بھی تھے) انھیں نفوس قدسیہ کے حیات و فن کا ایک مطالعہ پیش کیا گیا ہے جن کی شاعری کا ماحصل عشق و محبت ہے! عشق مصطفےٰ' محبتِ رسول اور رضائے مولیٰ۔

باب پنجم : میں اردو غزل میں تصوف ولی سے میر تک جس میں مصنف نے ۸ ویں صدی کا علمی و فکری اور ادبی

جائزہ پیش کیا ہے اور اس باب کے تحت کل ۸ ا باکمال اور بزرگ شعراء کی حیات وخدمات اور ان کے فن کا جائزہ لیا ہے۔ مثلاً ولی دکنی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، سراج اورنگ آبادی، شاہ نیاز بریلوی اور خواجہ میر درد وغیرہ

باب ششم :۔ اردو غزل میں تصوف میر سے غالب تک :

اس باب کے تحت ۹ اویں صدی کے قابل ذکر ومنتخب شعراء وائمہ فن کی حیات وخدمات اور ان کے فن پر گفتگو کی گئی ہے کل ۱۵ منتخب شعراء مثلاً حضرت میر سید علی غمگین دہلوی، ناسخ و آتش، ذوق، مومن اور امام احمد رضا بریلوی وغیرہ۔

باب ہفتم :۔ اردو غزل میں تصوف غالب سے اقبال تک :

کل پندرہ شعراء کی حیات وفن پر گفتگو کی گئی ہے یعنی بیسویں صدی کا علمی، فکری، ادبی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس عہد کے باکمال ائمہ فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسے حضرت اکبرالہ آبادی، داغ دہلوی، علامہ سیماب اکبر آبادی، جگر مرادآبادی، جوش ملسیانی اور ڈاکٹر اقبال وغیرہ۔ اس کتاب میں مجموعی طور پر کل پچانوے شعراء، ادباء ائمہ فن کی حیات وخدمات اور ان کے فن پر گفتگو و بحث کی گئی ہے جس میں بڑے بڑے بزرگان دین، مشائخ عظام، اجلہ علماء دین اور امامان عصر بھی ہیں گویا یہ کتاب بیک وقت تصوف، تذکرہ، تاریخ، تنقید، ادب سب پر مشتمل ہے، اس کتاب کا ایک بڑا حسن یہ بھی ہے کہ یہ ایک موثر احتجاج ہے جو دانشوروں ہی کی صف سے اٹھا ہے۔ ان عصبیت زدہ، تنگ دل، تنگ نظر، بے ضمیر قلم فروشوں کے خلاف جو تاریخ و تذکرہ اور میدان شعر و ادب کے اجارہ دار ہیں جنھوں نے محض عقیدہ و مسلک صاحب خانقاہ و صاحب نسبت ہونے کی بنیاد پر اس میدان کے شہہ سواروں اور تاریخی شخصیات ورجال سے چشم پوشی کی، ان سے اغماض برتا کسی کو وقت کے جزدان میں بند کردیا۔ کچھ کو ثانوی درجے کا آدمی قرار دے کرنا قابل اعتنا جانا اور کچھ پر ٹھنڈی دھول ڈالدی اور کچھ کو تو صفحہ ہستی ہی سے مٹادیا۔ جیسے میر سید علی غمگین دہلوی، غزل ورباعیات کے استاد شاعر غالب وذوق سے بھی بلند رتبہ، حضور غوث پاک کی اولاد، سلسلہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کے بڑے پیروں میں سے حضرت غوث گوالیاروی کے بعد خانوادہ گوالیار کے سب سے بڑے شیخ طریقت مگر تاریخ و تذکرہ کے ان سکہ رائج الوقت ٹھیکیداروں کے تذکرے میں کہیں ہے تذکرہ؟ یہی سلوک آسی غازیپوری، بیدم وارثی، شاہ تراب چشتی، شاہ محمد اکبر ابوالعلائی، بے نظیر وارثی اور امام احمد رضا بریلوی کے خلاف روار کھا گیا۔

دل کے زخموں کو کریدو نہ یوں ہی رہنے دو
ان میں پوشیدہ ہیں یادوں کے خزانے میرے

ڈاکٹر اعجاز مدنی شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ تاریخ و تذکرہ ادب کی جن قد آور شخصیتوں کو نظر انداز کردیا گیا تھا اور جن پر ٹھنڈی دھول ڈال دی گئی تھی انھیں تاریخ و تذکرہ کی کال کوٹھری سے باہر نکالا۔ بند جزدانوں کا منہ کھولا۔ اور حقیقت کے غبار آلود چہرے کو صاف کیا۔ صحافت و دانش وری کی آڑ میں کی جانے

والی اس تاریخی بددیانتی پر انگلی رکھی اور ان عصبیت زدہ ذہنیت کا باقاعدہ تعاقب کیا اور ان کے جادۂ اعتدال سے ہٹ جانے کا پوسٹ مارٹم کیا۔ آنکھیں نیچی نہیں بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے اور اس جرأت کے ساتھ کی کہ ؎

چھیڑنے تو دو افسانے انداز بیاں والے
کچھ تم ہی نہیں یارو ہم بھی ہیں زباں والے

آج سے کم و بیش بیس برس قبل اسی شب گزیدہ ذہنیت اور ادب کی بردہ فروشی کے خلاف اپنی کتاب "امام شعر و ادب" (جو دیوان حدائق بخشش کا ایک فنی جائزہ ہے) میں بڑی دلسوزی کے ساتھ احتجاج کیا تھا اور اپنے احتجاج کو مدلل و مبرہن کیا تھا۔ اس کے معا بعد اردو ادب کی قد آور و یادگار زمانہ شخصیت جناب کالیداس گپتا رضا نے ممبئی کے ماہنامہ "المیزان" کے امام رضا نمبر کے لئے ایک بے حد وقیع مقالہ لکھا تھا "مولانا احمد رضا بحیثیت شاعر" اس میں انھوں نے اس طرح کی ذہنیت اور تاریخ و تذکرہ اور زبان و ادب کے اجارہ داروں پر بڑے لطیف انداز میں چوٹ کرتے ہوئے نیز امام احمد رضا کے خلاف اس وقت تک کی جانے والی اجتماعی بے اعتنائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"معلوم ہوتا ہے اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کا بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو نعتوں و سلاموں ہی تک محدود رکھا۔" ؎

مصلحت کوشی کہوں یا شب گزیدہ ذہنیت
دن کو دن کہنے سے بھی کچھ لوگ گھبراتے ہیں کیوں

جس کی حقیقی اور بنیادی وجہ وہی ہے جو ابھی عرض کیا۔ ڈاکٹر اعجاز مدنی نے بھی اپنے اس مقالے کے خلاصہ کلام میں انھیں حقیقتوں کی طرف اشارۃً نہیں بلکہ وضاحتاً و صراحتاً گفتگو کی بے شک شعر و ادب 'تذکرہ و تاریخ' سیرت و سوانح پر کل تک انھیں قلم فروشوں' بے ضمیروں' بددیانتوں کا قبضہ تھا جن کی غالب ترین اکثریت نجدیت زدہ تھی اور کچھ تو قلم کے وہ مزدور تھے جو ہمہ وقت مال برائے فروخت کی تختی گلے میں لٹکائے رہتے تھے اور ضمیر کو زر اور دیانت کو دولت سے بدلتے رہے۔ اس تعلق سے برصغیر ہندو پاک میں کچھ لوگوں نے بڑا نام اور بڑا مال کمایا۔ اور اس خصوص میں سعودی ریال نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ افتراء و اختراع کے ذریعے دیکھتے ہی دیکھتے نئی نئی تاریخیں وضع کر لی گئیں اور حقیقت کے چہرے کو اس قدر مسخ کر دیا گیا کہ یہی مسخ شدہ چہرہ ہی سکہ رائج الوقت کے ہاتھوں حقیقت معلوم ہونے لگا۔ اور سب سے بڑھ کر خود اپنی بے عملی' بے حوصلگی' عزلت نشینی' مضرت رساں قناعت پسندی' سیاسی بے دخلی اور سیاست حاضرہ کو شجر ممنوعہ سمجھنے کی دانستہ اجتماعی غلطی!! اس طرز عمل نے بھی سنیت کو بہت زیادہ نقصان پہونچایا۔ یہ سیاسی کار فرمائیوں اور سیاسی شعوری کا نتیجہ ہے کہ کل مٹھی بھر افراد جو قابل ذکر میدان پر قابض ہیں ہر جگہ وہی نظر آتے ہیں' وہی سرفہرست ہی

نہیں زینت فہرست بھی بنتے ہیں' اور ہم اپنی بے پناہ افرادی قوت اور غالب ترین اکثریت کے باوجود صرف ایک بھیڑ بنے ہوئے ہیں کلا انعام بل ھم اضل جس میں ہماری سیاسی بے شعوری' بے عملی گروپ بندی و انتشار کا بڑا دخل ہے۔

اب چاہے مجھے جیسی سزا دیجئے قبول
عرض وفا کی بات تھی ہونٹوں پہ آگئی

ایسے عالم اور ایسے ماحول میں اس کتاب کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ اب تک کی دانشوری و پروفیسری اور ڈاکٹری کے نام سے کی جانے والی بوالعجبیوں' ضمیر فروشیوں و تاریخی بددیانتیوں کا یہ جواب آں غزل بھی ہے! اس کتاب کا ایک بڑا حسن یہ بھی کہ کتاب دراصل ایک تھیسس (یعنی تحقیقاتی مقالہ) تھا جسے ممبئی یونیورسٹی سے پاس ہونا تھا وقت' مصلحت اور حالات کا تقاضا تھا کہ وہ متنازعہ شخصیتوں کے ذکر سے دامن بچا لیتے' یا چشم پوشی سے کام لے لیتے۔ مگر انھوں نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ مداہنت فی الدین کو پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا۔ جہاں اور جس مقام پر ضرورت پڑی جرأت مومنانہ سے کام لیا۔ عشق و محبت کا درس بھی دیا۔ رد بھی کیا نام لیکر مجرم اور جرم کی نشان دہی بھی کی اس بے رحم حقیقت کا ادراک ہوتے ہوئے بھی! کہ اس طرح کی فیلڈ میں علی العموم سخن فہموں کے بجائے غالب کے طرفداروں کا ہی قبضہ ہوتا ہے اور غالب کے طرفداروں کا سخن فہمی کا مظاہرہ حیرت بالائے حیرت ہی مانا جائے گا۔

یہ ان کی نیت کا اخلاص اور بزرگان دین کا تصرف کہئے یہ مقالہ جو آج کتابی صورت میں ہے پاس ہوا اور ممتحن میں وہ لوگ تھے جن کے نزدیک تصوف چنیا بیگم ہے ۔اسی مقالے پر محترم اعجاز مدنی صاحب کو ممبئی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی فلحمدلله رب العلمین۔

یہ کتاب نفس موضوع کی اردو زبان کی ۲۷۱ اور انگریزی زبان کی تیس کتابوں اور نو قدیم علمی و ادبی رسالوں' مجلوں اور جریدوں جن میں نیاز فتح پوری کے نگار کی ۳۳ سالہ فائل اردو اور معارف کے بیس بیس سالہ فائل ادب لطیف' نقد و نظر' فنون' برھان' سب اس مجلہ عثمانی وغیرہ کا خلاصہ و نچوڑ اور تصوف و تذکرہ' سیرت و سوانح' تاریخ و تنقید اور شخصیات و رجال کے ایک دفتر گراں قدر کو سجا کر ایک گلدستہ کی شکل میں ہتھیلی پر رکھ دیا ہے۔فجزہ الله تعالی احسن الجزاء ۔ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ایسی بات نہیں کہ اتنی مبسوط و ضخیم کتاب میں ہر جگہ صرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے خوبیاں ہی خوبیاں ہیں' کہیں کوئی لغزش نہیں' خطا نہیں' سقم نہیں' کوئی مصنف یا مبصر ایسا دعویٰ کر بھی نہیں سکتا کہ انسان بھول چوک اور خطا کا پتلا ہے الانسان مرکبٌ من الخطاء والنسیان اس کتاب کو بالاستیعاب حرف بہ حرف تو نہیں پڑھ سکا مگر زیادہ تر حصہ پڑھا خوب غور سے پڑھا بعض مقامات کو تو بار بار پڑھنا پڑا۔

بے شک اس کتاب میں کچھ کمیاں' کوتاہیاں' خامیاں' بے احتیاطیاں بھی ہیں۔ کہیں تعارض و تناقض

بھی ہے اور کہیں اضطراب وعبارتوں میں جھول بھی اور کچھ مقامات محل نظر بھی! جس میں کچھ سہو کتابت کچھ سبقت قلم' کچھ تسامح' کچھ عدم واقفیت اور کچھ عدم حضور ذہنی بھی اس کا سبب ہو سکتا ہے' کہیں کہیں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے الفاظ کی تعبیر میں بے احتیاطی بھی ہو گئی ہے جیسے ایک جگہ مولوی خشک جیسے الفاظ آجانا۔ اس کی جگہ علماء ظاہر ہیں یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ! ایک جگہ ایک اہم اقتباس پر حوالہ دینا رہ گیا۔ بادی النظر میں پیراگراف مصنف کے معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہاں حوالہ بہت ضروری تھا کہ وہ مقام بڑا نازک ہے یعنی ص ۲۷۳ پر فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنقید' تنقیص و بے جا جسارت کی منزل میں آگئی ہے۔ چونکہ میں مصنف سے ذاتی طور پر واقف تھا ان کی سیت (اور وہ سیت جو اعلحضرت سیدنا امام احمد رضا کے توسط سے ملی ہو) ہر شبہے سے بالاتر اور ان کا تصلب فی الدین کافی متعارف و متیقن! اسی لئے میں نے ذاتی طور پر مل کر اس کی وضاحت چاہی کہ یہ پیراگراف لکھتے وقت یہ حدیث پاک کہیں پڑھی یا کسی سے سنی نہیں تھی الصحابة کلهم عدول 'واصحابی کاالنجوم الخ یا حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد۔ کہ اگر معاویہ کے گھوڑے کے سموں کی خاک میری آنکھوں میں پڑ جائے تو مجھے اپنے جنتی ہونے کا یقین ہو جائے' (تریجۃ العشاق)

اعلحضرت امام اہل سنت جنہیں خلیفہ راشد لکھیں دلبند مرتضیٰ جگر گوشہ فاطمہ زہرا ضیائے چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سیدنا امام حسن مجتبیٰ جن کے دست حق پرست پر بیعت کریں خلیفۃ المسلمین علی الاطلاق کاتب وحی بالاتفاق 'قیصر العرب علی لسان خیر البشر مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لئے یوں لب کشا ہوں الهم احوله هادیاًومهدیاً الهم علمّ معاویة الکتاب والحساب وقِعه العذاب یامعاویة اذملکتَ فاحْسِن تاریخ الخلفاء عربی جلد اول۔ بے شک انہوں نے خلافت راشدہ کو ملوکیت سے بدلا مگر اس ملوکیت کے لئے انہوں نے ایسے اصول و ضوابط کی بنیاد ڈالی جن کی بدولت آگے چل کر عجم و اہل عجم پر حکومت کرنے کا اصول معلوم ہوا خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست راست ہونے کے سبب وہ اس سلوک کے مستحق تو نہیں تھے بے شک حب اہل بیت اہل سنت کے ایمانیات کا ایک بڑا قیمتی حصہ ہے مگر عظمتِ صحابہ اور ان نفوس قدسیہ کے احترام کے بغیر سراسر رفض ہے' ایک ادنیٰ درجے کے صحابی کا مرتبہ غوث و قطب و ابدال سے کہیں بڑا ہوتا ہے جبکہ حضرت معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنھما بڑے درجے کے صحابیوں میں سے ہیں۔ میرے اس توجہ دلانے پر ڈاکٹر اعجاز مدنی صاحب نے بڑی حیرت کے ساتھ کہا مولانا یقین فرمائیں یہ الفاظ میرے نہیں ہیں اور میرے ہو ہی نہیں سکتے میں نے کہیں سے اسے یہاں نقل کیا ہے۔ البتہ یہاں حوالہ لکھنے میں چوک ہوئی ہو گی' جبکہ وہ کتاب حوالہ جات سے جکڑی ہوئی ہے۔ پھر دو روز بعد وہ کتاب نکالا اور حوالہ میرے سامنے رکھ دیا۔ "انسانیت موت کے دروازے پر" باب مشاہیر عالم کا آخری وقت۔

یہ کتاب سپاہ صحابہ 'ناموسِ صحابہ 'مدح صحابہ جیسے لیبل لگانے والی جماعت کے امیر جماعت اور نیشنلسٹوں کے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے 'جس کے سیاسی تطفلات اور سیاسی عدم بصیرت پر طنز کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امام اہل سنت نے اپنی آخری تصنیف "الحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ" میں "زہے لیڈری 'ایڈیٹری 'منشری" کا تاریخی جملہ فرمایا تھا 'جس کو بعد کے دیدہ ور اہل قلم نے اپنا عنوانِ سخن بنایا۔

مرزا غالب کے لئے ص ۴۱ پر غالب کو شیفتہ نے سنی قبرستان میں دفن کیا۔ لہٰذا مع حوالہ حالی سنی ہیں حالانکہ مضمون کی نوعیت طنز کی طرف اشارہ کرتی ہے پھر ص ۲۷ پر غالب کے لئے یوں لکھنا۔

اگر آپ سنی ہونے کی وجہ سے غالب 'میر 'ناسخ 'آتش وغیرہ کو مطعون کریں گے تو شیعہ نقاد آپ کو شاباشی دینے سے رہے اور پھر انھیں غالب کے لئے ص ۵۳۴ پر دلائل کے ساتھ سنی ثابت کرنا یعنی ایک شخص کے لئے ایک ہی کتاب میں الگ الگ باتیں یہ تعارض واضطراب ہی تو ہے 'بے شک مرزا اسداللہ غالب سنی مسلمان تھے ان کی سنیت شکوک و شبہات سے بالاتر تھی البتہ حب اہل بیت و محبتِ علی مرتضیٰ میں ڈوبے ہوئے تھے 'اگر یہ شیعیت ہے تو غالب سے بہت پہلے حب اہل بیت کی بنیاد پر امام اعظم ابو حنیفہ و امام نسائی پر شیعت کا الزام لگ چکا ہے آخر الذکر شخصیت تو اپنوں کے ہاتھوں اسی الزام زدو کوب کا شکار ہوئی ان جلیل القدر ہستیوں کے مقابلے میں بے چارے غالب کس شمار میں ہیں 'اور ص ۲۵۸ پر مقامات ابوالخیر کے حوالے سے مشہور گستاخ رسول مولوی اشرف علی تھانوی کی گستاخانہ عبارتوں پر شاہ ابوالخیر دہلوی کی گرفت اور مولوی گستاخ رسول صاحب پر شاہ صاحب کی ناراضگی کا واقعہ لکھ کر اس پر جو اپنا تبصرہ لکھا وہ یوں "لیکن آج تک دیوبندی علماء کا عالم یہ ہے کہ اشرف علی تھانوی صاحب کی گمراہ کن کتابیں بڑے آب و تاب کے ساتھ مثلاً تقویۃ الایمان 'تحذیر الناس 'حفظ الایمان 'صراط مستقیم کی طرح چھپ رہی ہے اب تو سوءِ ادبی پر ملت اسلامیہ کا اتفاق ہو چکا ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون!

حفظ الایمان ہی اصل فساد کی جڑ ہے جو مولوی گستاخ رسول صاحب ہی کی ہے غالباً اس کی جگہ کسی دوسری کتاب کا نام لکھنا چاہتے تھے۔ براہین قاطعہ یا فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ۔

یہاں ڈاکٹر صاحب کو اب تو سوءِ ادبی پر ملت اسلامیہ کے بجائے ملت نجدیہ لکھنا چاہئے تھا جس میں وہابیہ 'دیابنہ 'غیر مقلدین و مودودیے سب شامل ہیں کہ انھیں ظالموں کا سوءِ ادبی پر اجماع ہو چکا ہے ان ظالموں کے علاوہ پورا عالم اسلام الحمدللہ جو سوادِ اعظم ہے جو اہل سنت وجماعت ہے ادب اور حسن ادب پر اس کا اجماع ہے اور ۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ
آبروئے ما زنام مصطفیٰ

اس کی شناخت اور ۔

مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باونہ رسیدی تمام بو لہبی است

اس کا عقیدہ ہے۔

سوئے ادبی پر جن لوگوں کا اتفاق ہو چکا ہے انھیں بے ادبوں کے کچھ قابل ذکر افراد کے نام کے آگے پیچھے ایسے جملے بھی آگئے ہیں جو نہیں آنا چاہئے۔ ویسے بھی اب اس طرح کے جملے ایک رسم بن چکے ہیں! ہم باادب بانصیب لوگوں کو اس رسم سے بھی بچنا چاہئے۔

ص ۶۱۴ پر پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی کے حیات و فن پر تفصیلی گفتگو اور ان کے فکر و فن کی عظمتوں پر محققین زبان و ادب کے آراء اور ان کے کلام کو پیش کرنے کے بعد اپنا جو تبصرہ سپرد قلم کیا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

"جوش کے کلام میں صوفیانہ عناصر کی بڑی خوبصورت بند شیں ہیں۔ ان کے عارف ہونے میں کلام نہیں ممکن ہے کچھ زاہدان خشک ایمان و اسلام کی قید لگا دیں مگر سچ پوچھو تو جوش کا عشق خود ان کے ایمان کی گواہی دے رہا ہے۔"

ڈاکٹر موصوف کی یہ عبارت نہ صرف محل نظر بلکہ طویل بحث طلب بھی ہے۔ لگے ہاتھوں یہ بحث بھی مکمل کر لیتا خواہش کے باوجود قلم روک رہا ہوں کہ تبصرہ خود ہی کافی طویل ہو چکا ہے اور ہمارے احباب و کرم فرماؤں میں کچھ طبیعتیں بہت حساس و نازک ہیں خدشہ تھا کہ یہ طوالت ان کے قلب نازک پر بار اور یہ بحث خلط مبحث ہو کر ان کے قیمتی اوقات کے ضیاع کا سبب نہ بن جائے۔

بڑا نازک طبیعت ہے دلوں کا
نہ ہو جائے کوئی خواطر کبیدہ

ان کے علاوہ کچھ چھوٹی موٹی بے احتیاطیاں بھی ہیں جنھیں سبقت قلم یا سہو کتابت کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے ورنہ مجموعی طور پر کتاب دل کی دھڑکنوں میں بسانے اور پلکوں پر سجانے کے لائق ہے خاص کر اہل ذوق و علماء دین کے مطالعہ کی چیز ہے۔ **وماتوفیقی الا باللہ وھو حسبی و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر علیہ توکلت و الیہ أنیب۔**

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

گل ولالہ

تبصرہ نگار :۔ محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری خطیب نورانی مسجد وانوڑی بازار پونہ

مصنف :۔ سید اولاد رسول قدسی

ناشر :۔ فاروق سوداگر درویش ممبئی

حضرت سید اولاد رسول قدسی ایک بلند خیال شگفتہ فکر شاعر اچھے ادیب 'عمدہ مدرس اور نکتہ آفریں مقرر کا نام ہے۔ آپ اڑیسہ ضلع بھدرک کی ایک زرخیز بستی مرزاپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے خانقاہ کی معطر اور پر کیف فضا میں پرورش پائی 'تواضع وانکساری کے مرقع سادگی ایسی کہ ہزار رعنائیاں قربان نہ سیادت کا غرہ اور نہ منصب سجادگی کا زعم 'الحمدللہ آپ علوم مشرقیہ اور علوم دینیہ پر یکساں درک رکھتے ہیں کتنے ہی علمی مضامین آپ کی فکری جولانیت اور قلمی بانکپن کے شاہد ہیں۔ انگلش میں بھی بہت سے جامع مقالات تحریر کیے جن کی علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ علمی طمطراق 'لطافت فکر 'فضل و کمال 'شعور و آگہی اور علم ظاہر و باطن کی دولت بے بہا آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ ان تمام خوبیوں کے علاوہ رب قدیر نے مدحت رسول کو شعر کے پیکر میں ڈھالنے کی پاکیزہ صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے۔ عشق و عرفان میں ڈوبا ہوا دو سو صفحات پر مشتمل آپ کی نعتوں کا تازہ بہ تازہ مجموعہ گل ولالہ ابھی جلد منظر عام پر آیا ہے۔ مطالعے کے بعد محسوس ہوا کہ شاعر نے کمال احتیاط کے ساتھ نعت مصطفےٰ کے حسین چمن کو بڑے دلکش انداز میں سجایا ہے ہر شعر فنی نزاکتوں کا انمول نگینہ ہے ۔ بس پڑھتے جائیں اور عشق کی تہہ بہ تہہ موجوں سے کھیلتے جایئے۔

نعت رسول ایک مقدس فن ہونے کے ساتھ وادیٔ پر خار بھی ہے اس کانٹوں بھری راہ سے ادب و احتیاط کے ساتھ گزرنا اسی کا مقدر ہے جس کا دل عشق رسول کے جلوؤں سے آباد ہو اور شریعت کی نزاکت اس کا رفیق سفر ہو۔ ورنہ مقام نبوت کا عالم تو یہ ہے کہ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔ قابل مبارکباد ہیں محترم اولاد رسول قدسی جو بڑی شان تمکنت کے ساتھ اس ڈگر سے گزرے ہیں مگر نہ کہیں فنی اعتبار سے ٹھوکر کھائی ہے اور نہ ہی شرعی تقدس کو مجروح ہونے دیا ہے۔ فکری پختگی 'ندرت تخیل کی شادابی 'فنی دلآویزی شعری جمال اور بلندیٔ خیال سے پورا دیوان آراستہ ہے علوئے فکر کی دلپذیری کے ساتھ الفاظ کی طلاطم خیزیاں اور کیف وسرور 'سوز و ساز 'اور درد و گداز کی جلوہ طرازیاں بھی دیکھنے کو ملیں گی گام گام پر فکر کی انجمن میں نئے چراغ روشن کیے ہیں۔ اگر اشعار میں عقیدت کی چاشنی 'محبت کی موسیقی 'خیال کی لطافت 'جمال کی نزاکت 'حسن ادب کی رعنائی اور اسلوب بیان کی کھنک دیکھنی ہو تو قدسی کے مجموعۂ کلام گل ولالہ کا مطالعہ کیجئے ۔ ہر شعر اپنے دامن میں عشق کی دلفریبی لئے ہوئے ہے۔ سچ ہے اگر شاعر عشق حقیقی کے گوہر گرانمایہ سے تہی دامن ہو تو اس کا کلام دیوان کی فہرست میں اضافہ کا باعث تو ہو سکتا ہے مگر وہ جوہر لطیف جو روحوں کو چھیڑتا اور قلب میں گداز پیدا کرتا ہے اس سے یکسر خالی ہوگا کیوں کہ انہیں اشعار کو قبولیت دوام حاصل ہیں جو قلب و روح کو یکبارگی اپیل کرتے ہوں۔ قدسی کا کلام ان خوبیوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ آپ نے ہر صنف سخن پہ طبع آزمائی کی ہے اور بڑی کامیابی سے گزرے ہیں۔ گل ولالہ میں حمد خدا بھی ہے اور ثنائے مصطفےٰ بھی 'منقبت اولیاء بھی ہے اور نظموں کا گلدستہ بھی چند اشعار قارئین کے ذوق طبع کی لذت اور عشق و محبت میں جس بالیدگی پیدا کرنے

کیلئے پیش کر رہا ہوں پڑھئے اور جھوم جھوم جائیے

ان کے ہونٹوں پہ فصاحت کا گلاب
کس قدر ہے عطر افشاں گفتگو

ہے عجب ان کی زباں کی لذتیں
کر گئی پتھر کو انساں گفتگو

سارے گنہگار سماتے چلے گئے
آیا ہے رحمتوں کی وہ چادر لئے ہوئے

اعداء کی کیفیت تھی عجب دیکھ کر انہیں
پتھر بنے رہے کبھی پتھر لئے ہوئے

پھولوں کا ذکر کیا ہے معطر ہے خار بھی
طیبہ عجب ہے حسن کا منظر لئے ہوئے

حق کی سکتی روح میں سو جان پڑ گئی
برسا تھا قلب خاک پہ کس کے قدم کا نور

پتھر جو تیرتا ہوا آیا بحکم شاہ
حیرت میں پڑ گئے کبھی دریا کے آس پاس

یہ خلد بریں لیکے ہم کیا کریں گے
ہمیں چاہئے بس مدینہ مدینہ

نبی کا وہ اعجاز طرز تکلم
فصاحت کو آئے پسینہ پسینہ

سن کر تیرے کرم کی تلاطم کی بازگشت
ہوتا ہے ریزہ ریزہ گناہوں کا سلسلہ

یہ اشعار کے چند نمونے تھے جس کو پڑھنے کے بعد وجدان جھوم رہے تھے اس کے علاوہ منقبت کے اشعار بھی نہایت معیاری اور بلند ہیں اور دور جدید کی نئی بحر یعنی ہائیکو میں بھی نعت کے اشعار کہے ہیں اس بحر میں اس کامیابی کے ساتھ شعر کہنا آپ کی فنی لیاقت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

آپ کا مجموعۂ کلام گل ولالہ جہاں نعتیہ دیوان میں کامیاب اضافہ ہے وہیں اس راہ کے نئے مسافر کیلئے شمع فروزاں بھی ہے۔

"الکوثر" سہسرام

مولانا محمد وارث جمال قادری (جنرل سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی)

الکوثر یہ ایک سہ ماہی علمی و دینی مجلہ ہے جس کے حسن ترتیب میں ادبی و عصری رجحانات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے جو بہار کے ایک اہم تاریخی مردم خیز شہر سہسرام سے افق صحافت پر مطلع انوار بنا' یہ نقش ثانی ہے (دوسرا شمارہ) جس نے دل و نگاہ کو شادکام اور اپنے حسن ہمہ جہت سے دیدۂ بینا کو مسرت سے ہم کنار کیا اللھم زدفزد۔

اے آمدنت باعث آبادی ما
ذکر تو بود زمزمہ شادی ما

یوں تو سنی صحافت کے افق پر بہت سارے صحیفے ابھرے 'ڈوبے' پھر ابھرے تعطل کے شکار ہوئے اور کچھ تو ایسے ڈوبے کہ پھر ابھر نہ سکے 'مگر ہر ایک نے اپنے اپنے وقتوں میں اپنی اپنی بساط و توفیق کے مطابق قابل قدر خدمات انجام دی۔

جاں بحق ہونے والوں میں کچھ تو حالات کی بے مہری کے شکار ہوئے' کچھ نااہلی و ناتجربہ کاری اور جذبۂ نمود کی بھینٹ چڑھ گئے' اور کچھ تو حوصلوں و صلاحیتوں کے فقدان کے سبب وادیٔ گورغریباں میں ایک نئی تربت کے اضافے کا باعث ہوئے' انھیں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دامن صحافت کو مالا مال کیا' طوفانوں میں کشتیاں چلائیں' ہوا کے رخ موڑے اور اندھیری رات کے مسافروں کے لئے ایسے ایسے چراغ ہدایت جلا کر چھوڑ گئے جن کی لو آج بھی مدھم نہیں ہوئی اور جن کی یادوں کے نقوش اتنے گہرے ہیں جنہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما' ان میں السواد الاعظم مراد آباد' پاسبان الہ آباد' جام نور کلکتہ' قاری و حجاز جدید دہلی اور المیزان بمبئی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں' رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کے یہ تاثرات جو انھوں نے الکوثر کے لئے تحریر فرمائے ہیں کہ ڈوب جانے والے جریدوں کے اسی پس منظر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"الکوثر نام کے جریدے کے اجرا کی خبر سے خوشی ہوئی یہ منصوبہ آپ کی فلک پیما ہمتوں کی نشان دہی کرتا ہے' دوسری طرف آپ کی فکری بصیرت سے توقع رکھوں گا کہ وہ اس راہ کے لٹے ہوئے قافلوں کو بھی نظر میں رکھے ان میں اپنے اپنے وقت کے ایک سے ایک شہسوار تھے' لیکن آج صرف ان کی قبر کا نشان باقی رہ گیا ہے۔ اس قبرستان میں ایک اور نئی تربت کا اضافہ کرنا چاہتے ہوں تو ضرور اس صبر آزما و جانگسل کام کا ارادہ فرمائیے' الکوثر جلد ۱ شمارہ ۲ ص ۰۷

بادی النظر میں یہ تاثرات حوصلہ شکنی سے عبارت ہے مگر ساتھ ہی اس بے رحم حقیقت سے خبر دار و آگاہ کرنا بھی ہے کہ یہ وادی بڑی ناہموار ہے' یہ راہ بڑی پر خار ہے' یہ زمین بڑی سنگلاخ ہے' یہ صحرا بڑا بے رحم ہے' یہ زرد ریگستان ہے جہاں پانی نہیں بلکہ یہاں پتھر کا جگر پانی ہوتا ہے یہ آگ کا وہ دریا ہے جسے ڈوب کر پار کرنا ہے' یہ وہ محبت کا آشیانہ ہے جسے آباد کرنے کے لئے خود کو برباد کرنا پڑتا ہے اور یہ وہ مکتب عشق ہے جہاں سبق یاد کرنے والوں کو کبھی چھٹی نہیں ملتی۔

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ان زہرہ گداز و ہمت شکن مرحلوں کے باوجود اگر یقین محکم و عمل پیہم کا سرمایہ 'خود اعتمادی و خدا اعتمادی کی دولت زادراہ' کامل منصوبہ بندی مستقبل بینی کا ہنر پاس اور ہمت و حوصلہ خضر راہ ہو تو پھر۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود   مرد باید کہ ہراساں نہ شود

اس جریدے کا اجرا ایک طویل غور و فکر اور کامل منصوبہ بندی کے ساتھ عمل میں لایا گیا ہے ماہانہ کے بجائے سہ ماہی اسی منصوبہ بندی کی ایک کڑی ہے' ایسا ہر گز نہیں ہوا کہ چند یاران میکدہ کے اندر بیٹھے بیٹھے ایک خیال پیدا ہوا۔ شوق نے مہمیز لگائی اور ایک عدد رسالہ منظر عام پر آگیا' بلکہ انھوں نے ایک طویل عرصے تک غور و فکر کیا' منصوبہ بندی کی' پورے ملک کے دیدہ ور اہل الرائے و ارباب علم و فضل سے رابطہ قائم کیا ان سے اپنے منصوبے پر رائے مانگی 'روشنی چاہی پھر اسی حاصل شدہ رائے و روشنی سے خاکے و خطوط متعین کیے پھر جا کر منصۂ شہود پر ایک جریدے کا نمود ہوا' اور جریدہ بھی کیسا؟ جس کے نقش اول ہی کو دیکھ کر سوچنا پڑا۔ تجھ کو دیکھوں کہ تجھ سے بات کروں۔ پہلے ہی شمارے نے ایک خوشگوار کیفیت مرتب کی' نقش ثانی نے آنکھوں کی چمک بڑھائی اور مشام جاں کو معطر کر دیا۔

ہے مجھ سے گریبان گل صبح معطر

میں عطر نسیم چمن باد صبا ہوں

ماضی قریب ہی میں منظر سے پس منظر میں چلا جانے والا جریدہ حجاز جدید دہلی جب منظر عام پر آیا تو چند مہینوں کے بعد ہی یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ سنی صحافت میں جو خلا بہت برسوں سے چلا آرہا ہے وہ اب پُر ہو جائے گا۔ اہل ذوق نے اس سے کافی امیدیں وابستہ کرلی تھیں دیدہ ور ایڈیٹر نے بھی اپنے ذوق کے مطابق گلستانِ علم و ادب سے ایسے ایسے پھول اور گنجہائے گراں مایہ سے ایسے ایسے دُرِ شاہوار منتخب کئے تھے کہ۔ پہلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی "مگر ہائے اے گردش ایام! اسے بھی زمانے کی نظر لگ گئی کم سنی ہی میں کبر سنی کا مظاہرہ کر کے حالات کی بے رحمی کا شکار ہو گیا وہ! الکوثر نے حجاز جدید کے ابتدائی شماروں کی یاد تازہ کر دی ہے مولی تعالی اسے نظر بد سے بچائے 'تب و تاب جاودانہ و عمر طویل عطا فرمائے آمین!

کسی بھی جماعت و کسی بھی تحریک کے لئے لٹریچر کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتی ہے آج زیادہ تر

فتوحات و معرکے قلم ہی سے سر کئے جاتے ہیں اور "قلم گوید کہ سلطان جہانم" کی حقیقت بڑی آفاقی ہے۔

ہمارے یہاں عام طور پر رسالے جو عدم توجہی و کس مپرسی کا شکار ہو کر بقول علامہ ارشد القادری ایک نئی تربت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں' اس میں ساری خطا قاری ہی کی نہیں ہوتی اور بد ذوقی کا الزام یکطرفہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ علی العموم رسالے ہی اتنے بے جان و بے وزن ہوتے ہیں جو قاری کو متاثر ہی نہیں کرپاتے ان میں ایسی قابل ذکر چیز ہوتی ہی نہیں ہے جو قاری کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست!

چند نو آموز لکھنے والے جن کا علم و مطالعہ بس رسمی' جن کے مضامین خشک و بے جان اور اسلوب نگارش اتنا بو جھل کہ جسے دیکھ کر قاری بد دل ہو جاتا ہے اور قلم کی بد صورتی اس کے جمالیاتی حسن کا خون کر دیتی ہے۔

ہمارے دینی جریدوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ان کے پاس کتابت و طباعت و بائنڈنگ تک کے لئے پیسے ہوتے ہیں مگر گرانقدر مضامین کے حصول کے لئے وہ کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں کسی بھی رسالے' ڈائجسٹ اور جریدے کے اجزائے ترکیبی میں نفس مضمون ہی اصلی' حقیقی اور بنیادی جز ہوتا ہے بقیہ دیگر چیزیں ثانوی درجہ رکھتی ہیں مگر اسی اصل الاصول کے لئے جیب و دامن دونوں تنگ ہوتے ہیں۔ اہل جرائد اس سمت اپنی سوچ کا رخ موڑیں بالغ نظر' دیدہ ور' پختہ کار ارباب علم و فن کی خدمات حق خدمات کے ساتھ حاصل کریں جذبۂ خیر کی حرارت کی عمر بڑی مختصر ہوتی ہے۔ ارباب الکوثر کو میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ صحیفے کو اگر آفاقی اور بلندیوں تک پہونچانا ہو تو صرف جذبۂ خیر پر تکیہ نہ کریں اور ایک مخلصانہ گذارش کر کے انتظار کی سولی پر نہ لٹکیں' ایک مشورہ اور وہ یہ کہ صحتمند تنقید کا استقبال خندہ پیشانی و شکریے کے ساتھ کریں کہ صرف تعریف و توصیف' خود فریبی و خوش فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے اور صحتمند تنقید سے خود احتسابی کا احساس اور خوب سے خوب تر کا شعور بیدار ہوتا ہے اس سے نروس و بد دل نہیں ہونا چاہئے کہ۔ نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

جن دنوں ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کا اجرا عمل میں آیا تھا ابتداً مولانا بدر القادری (ہالینڈ) ایڈیٹر تھے۔ موصوف کہنہ مشقی' پختہ کاری' دیدہ وری' بالغ نظری کے ابتدائی مراحل ہی میں تھے کہ ان پر ایڈیٹری مسلط کر دی گئی' انھیں ایام میں یکے بعد دیگرے تین شمارے اعزازی طور پر رئیس الاتقیاء بدر العلماء حضرت علامہ بدر الدین احمد قادری قدس سرہ العزیز کی خدمت میں آئے' حضرت قبلہ نے ازراہ اخلاص بہ نیت اصلاح اشرفیہ کے ان شماروں پر ایک صحتمند تنقید لکھ کر مبارکپور بھیجا۔ اس مخلصانہ تنقید کو ارباب حل و عقد کا طبع نازک برداشت نہ کر سکا۔ نتیجۃً ماہنامہ اشرفیہ ہمیشہ کے لئے آنا بند ہو گیا جس کا قلق و ملال حضرت علیہ الرحمہ کو زندگی بھر رہا' جس کا تذکرہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے چنانچہ اشرفیہ اپنے وسیع تر آفاقی گراونڈ کے باوجود ان توقعات پر پورا نہ اتر سکا جو اس سے وابستہ کرلی گئی تھیں۔ کم و بیش انھیں ایام میں حضرت علامہ بدر الدین صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طویل و تاریخی مکتوب مجلس رضا لاہور کے بانی و سرپرست محسن سنیت و سرمایہ اہل سنت محترم مکرم حکیم

محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے نام تحریر فرمایا جس میں مجلس رضا سے حیات وخدمات امام احمد رضا پر شائع شدہ کچھ کتابوں اوران کے قد آور مصنفین پر شرعی احتساب واصلاح تھا۔ الفاظ بھی نرم نہیں تھے۔ میں اس وقت اپنے گھر بوھیا میں تھا حضرت نے وہ مکتوب پڑھنے کے لئے دیا پڑھنے کے بعد مجھ سے مشورہ چاہا کہ یہ تحریر حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے میں نے عرض کیا یہ مکتوب بڑا اہم افادہ بخش و تاریخی نوعیت کا حامل ہے اسے ضرور بھیجا جائے۔ مگر اس کی ایک نقل رکھ لی جائے محترم حکیم صاحب قبلہ اگر مرد ہونگے تو آپ کے اس اخلاص فی الدین پر ضرور شکر گذار ہوں گے۔ ورنہ ماہنامہ اشرفیہ کی طرح آئے دن ان کی طرف سے کتابوں کا بنڈل بھی رک جائے گا۔ ذہنی طور پر اس کے لئے آپ بہر حال تیار رہیں۔

محترم حکیم موسیٰ مدظلہ العالی نہ صرف مرد بلکہ حقیقۃً مرد دانا و حکیم الامت ثابت ہوئے۔ اس طویل تاریخی مکتوب کا جواب بھی تاریخی دیا۔ جس میں بے نفسی اخلاص الدین کے ساتھ ساتھ شکر گذارانہ و احسان مندانہ جذبات لہریں لے رہا تھا اس کے چند جملوں کو حافظے نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا تھا۔

"مولانا پورے عالم اسلام میں آپ کا نمبر دوسرا ہے جو اس طرح مخلصانہ انداز میں مجلس کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے............ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان کتابوں کی اشاعت انھیں جملوں کے ساتھ ہوگی جو آپ نے تحریر فرمایا" یہ ہے مردانگی اور اسی کا نام ہے اعلیٰ ظرفی۔

سینے میں قلزم لئے قطرہ کا قطرہ رہا

ماہنامہ سنی آواز ناگپور کے ایڈیٹر محترم حضرت علامہ سید حسینی مدظلہ العالی کے ایک احتسابی اداریے پر ایک طویل مکتوب میں نے اپنے مودبانہ و مخلصانہ احساسات کو ان کے منفرد اسلوب ولب ولہجہ پر فراخدلانہ خراج تحسین کے ساتھ ارسال خدمت کیا جس کے چند پیراگراف احتسابہ رنگ لیے ہوئے تھے نتیجۃً سنی آواز کی زیارت سے مستقل طور پر محروم ہو گیا جبکہ اس سے پہلے بڑی پابندی کے ساتھ تبلیغ سیرت کے دفتر کو موصول ہوتا تھا۔

الکوثر اب تک عام دینی ومذھبی رسالوں سے الگ ہٹ کر ایک انفرادیت لیے ہوئے ہے جیسے عالم نقوی کا مضمون "تہذیبوں کا قتل" سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی کا مقالہ "اردو نثر کا آغاز سرسید سے پہلے" مشہور صحافی حسن کمال کا "بجٹ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی" اور غزلوں کا خوبصورت گلدستہ جس میں حیدر قریشی کے غزل کے اس مطلع نے تو دل کو چھو لیا۔

ہمارا سلسلہ بغداد سے عرب سے ہے
اور اس کا سلسلہ چنگیز کے نسب سے ہے

حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری کا پر مغز مقالہ "اتحاد بین المسلمین کا نعرہ۔ بے اثر کیوں ؟" بڑا ہی معرکۃ الآرا مقالہ بڑی فکر انگیز و اثر پذیر تحریر اور نہایت سنجیدہ کوشش ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ شمس العلماء حضرت

علامہ نظام الدین الہ آبادی علیہ الرحمہ کا "مولانا کامل میاں میری نگاہ میں "ایک قیمتی تبرک کی حیثیت رکھتا ہے' "مولانا قادر بخش سہسرامی "بڑے خاصے کی چیز ہے اور نئی نسل کے لئے تو ایک سوغات ہے۔ محترم ڈاکٹر عالی نے اسے دستاویزی شکل دینے میں کافی محنت کی ہے وہ شکریے و مبارکباد کے مستحق ہیں 'اس اہم سلسلے کو جاری رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے وقت کے باکمال اصحاب و فضل و کمال کا انتخاب ہونا چاہئے' محترم راہی ضیائی صاحب کے "کھجوروں کی یلغار" نے پرانے قہوے کو نیا فنجان عطا کیا ہے فی زمانہ ایسے مضامین بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں' علمی وادبی سرگرمیوں کو تھوڑی جگہ اور ملنی چاہئے کہ تازہ ترین حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔

تصوف کے ایک باب کو بھی مستقل عنوان دیدیا جائے اور اس کے لئے ان خاصان خدا کا انتخاب کیا جائے جن کے تذکرے عام طور زبانوں پر نہیں ہیں۔

کتابت اچھی 'کاغذ معیاری' سرورق جاذب نگاہ 'ضخامت بہت مناسب' ٹائٹل کے علاوہ اسی صفحات ہدیہ فی شمارہ ۸ روپے کم ہیں۔ ۱۰ یا ۱۲ روپے ہونا چاہئے رسالے کے حسن ترتیب میں عصری رجحانات کا بطور خاص جو خیال رکھا گیا ہے یہ بہت ضروری تھا اپنی نوعیت میں منفرد ہونے کے باوجود اس جریدے کو ابھی مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ اسے مکمل جریدہ بننے میں ابھی وقت لگے گا۔ البتہ اس کی موجودہ اٹھان سے کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اسے نظر بد سے بچائے آمین ۔

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناراض
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(نوٹ :۔ تبصرہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں)

ضروری اعلان :۔ افکار رضا انگریزی جو کہ گذشتہ ایک سال سے جاری تھا۔ اس کے اجراء کا مقصد رضویات پر انگریزی میں لٹریچر فراہم کرنا تھا۔ لیکن اہل سنت کے انگریزی قلم کاروں کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ کیلئے افکار رضا انگریزی بند کیا جارہا ہے ہمیں جیسے ہی انگریزی مضمون نگار حضرات کا تعاون ملا دوبارہ یہ سلسلہ شروع کردیا جائے گا ۔ جب تک کے لئے معذرت۔

ادارہ

"پیغامِ رضا" کا امام احمد رضا نمبر

ڈاکٹر سید جمال الدین قادری برکاتی
پروفیسر و صدر شعبہ تاریخ و ثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، ۲۵

'پیغامِ رضا' کا امام احمد رضا نمبر (شمارہ :۔(۱) ۷ ۱۴۱ھ / ۱۹۹۶ء) زیر ادارت صحافی معصر مولانا رحمت اللہ صدیقی.........، پیشِ نظر ہے، خصوصی شمارہ میں اکیس مضامین شامل ہیں، ان مضامین میں فکر رضا کا احاطہ کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں، مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی آل رسولی رحمتہ اللہ علیہ کی فکر و حیات کی نمایاں ترین خصوصیت ہے، عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اس عشق کا فیض ہے کہ آج امام احمد رضا علم و فضل کی دنیا میں انتہائی بلند مقام پر فائز نظر آتے ہیں، اُن کا تعارف عام ہے تاہم ان کی فکر و نظر کا تعارف بار بار اور ہر مرتبہ نئے انداز فکر سے کیا جاتا ہے، 'پیغامِ رضا کا زیر گفتگو افتتاحی شمارہ مجموعی طور پر دور حاضر میں امام احمد رضا کی فکر و نظر اور ان کی دینی وملی خدمات سے قارئین کو علمی انداز سے متعارف کرانے کے سلسلے کی اہم کڑی ہے اور مضبوط کڑی ہے۔ عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار امام احمد رضا کے افکار کے جائزے سے مزین "پیغامِ رضا" کا امام احمد نمبر کلام الامام کے اس نعتیہ شعر سے حوالے رہا ہے :

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

مدیر محترم اداریہ میں رقمطراز ہیں :" ایک مصلح کار " مجدد الوقت اور عبقری شخصیت میں جتنی خصوصیات ہونی چاہئیں، امام احمد رضا ان ساری خصوصیات کے جامع تھے۔" میرے برادر محترم (بھائی صاحب) حضرت علامہ سید شاہ آل رسول قادری برکاتی جو اعلحضرت امام احمد رضا کے پیر و مرشد خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول قادری برکاتی آل احمدی کی مسند پر سجادہ نشین کی حیثیت سے جلوہ افروز ہیں اسی شمارہ میں اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں :"امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ علم، عشق اور عمل کا ایسا مثلث تھے جس کے ہزار زاویے۔ وہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا قطب مینار تھے جس کی اونچائی کا اندازہ لگانے میں اچھے اچھوں کے سر سے ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔"

ایک اور جگہ محترم بھائی صاحب سُنی شجر علم سے اپنی خوشہ چینی کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں :" نظمی کی نعت گوئی اعلحضرت کا عطیہ ہے، لوگ مجھے امام احمد رضا کی شاعری کی چلتی پھرتی کرامت کہتے ہیں :"اور مجھے

پرتوِ کلامِ رضا کا لقب دیا گیا ہے۔ "اعلیٰحضرت کی عبقری شخصیت کا دوسرا پہلو ہے علوم اسلامی کے فروغ میں اُن کی بے پناہ خدمات۔" میں اس بات کا منتظر ہوں کہ محترم بھائی صاحب کی طرح کوئی عالم اہلسنت اس قدر قد آور ہو کہ اُس کا علم دین اعلیٰحضرت کا عطیہ اور لوگ اسے امام احمد رضا کے علم کی چلتی پھرتی کرامت کہتے ہوں اور اسے پرتوِ علمِ رضا کا لقب دیا گیا ہو اس سے بھی پہلے علم رضا کی معرفت ضروری ہے' مولانا رحمت اللہ صدیقی نے صحیح لکھا ہے کہ پاکستان میں تحقیقات امام احمد رضا کے سلسلے سے زیادہ منظم کاوشیں ہو رہی ہیں اور متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اس ضمن میں ہندوستان میں کم کام ہوا ہے۔

گذشتہ سال ہند نژاد نیویارک میں سکونت پذیر خاتون اوشا سانیال کی تحقیقی کتاب بعنوان:

"Devotional Islam & Politics in British India-Ahmad Raza Khan Barelwi and his movement,1870-1920"

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے اصحابِ فکر معاف کریں گے کہ امام احمد رضا کی فکر کے حوالے سے اس کتاب کے علاوہ جتنی بھی تصانیف میری نظر سے گذری ہیں ان میں اعلیٰحضرت کے افکار کا تاریخی پس منظر تقریباً مفقود ہے' اوشا سانیال نے نو آبادیاتی عہد کے ہندوستان کی مذہبی' اصلاحی' علمی' تعلیمی اور سیاسی و سماجی تحریکوں کے سیاق میں اعلیٰحضرت کے افکار اور ان کی تحریک کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے' ان سے لغزشیں بھی ضرور ہوئی ہیں جن کی نشاندہی کسی مناسب موقع پر کی جائے گی' اس جگہ جو نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ افکار اعلیٰحضرت کا جائزہ لینے کے لئے اپنی فکر و نظر کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔

زیر بحث شمارہ کا پہلا مضمون "حواشی ترجمۂ قرآن' پہلی نظر میں متجسس نگاہ کو اپنی طرف کر لیتا ہے' اعلیٰحضرت نے اپنے ترجمۂ قرآن 'کنزالایمان' پر جو توضیحی حواشی لکھنے شروع کئے تھے وہ یا تو تشنۂ تکمیل رہ گئے یا پھر خرد برد ہو گئے' مفتی مطیع الرحمٰن مضطر نے حواشی کنزالایمان کے جو نمونے پیش کئے ہیں ان سے کم از کم اس کم علم کو اعلیٰحضرت کی علمی شخصیت کے ایک اور پہلو سے آگاہی ہوئی' یہاں میں ایک آیت کے اردو ترجمہ اور اس کے متعلق سے اعلیٰحضرت کا جو حاشیہ ہے اسے نقل کر کے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں' آیت کا ترجمہ (کنزالایمان): "ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے بدلا ان کے جھوٹ کا۔" حاشیہ۔ "یہ آیۂ کریمہ ان لوگوں پر رد ہے جو صلح کلی بننا چاہتے ہیں جس جلسے میں گئے ویسی ہی کہی اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں اور اسے اصلاح جانتے ہیں۔" اس حاشیہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس کے سنہ تصنیف کا سراغ لگائیں اور اس کے بعد اسے ان رہنماؤں کے سیاسی عزائم سے جوڑ کر دیکھیں جو جلسوں میں اپنی سیاسی اولوالعزمیوں کی خاطر دین و مذہب کی عائد کردہ شرائط سے باہر قدم رکھتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کا 'نغمۂ رضا تشریحی ترجمہ' بہت خوب ہے' اس تشریحی ترجمہ کی یہ خوبی ہے کہ

اسے اگر یکجا کر دیں تو ایک منثور نظم کی شکل اختیار کر آئے گا۔ نغمۂ رضا کے تشریحی ترجمہ میں معنی آفرینی کے ساتھ زبان کا رچاؤ بساؤ بہت دل نشیں ہے۔ امید ہے پروفیسر مسعود احمد کی اس کاوش کا تتبع کرتے ہوئے ہمارے ادیب و شعراء کلام رضا کو منثور نظم کے پیرائے میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح کلام رضا کی تفہیم کے ایک نئے باب قائم ہونے کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیاء کا مضمون 'فتاوٰی رضویہ میں علم ریاضی و ہیئت کا استعمال دقت نظر کی طرف اشارہ کرتا ہے 'اس مضمون سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم ریاضی و ہیئت علوم دینی کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہیں' پروفیسر محمد صادق ضیاء لکھتے ہیں: "طلوع و غروب 'سحر' نمازوں کے نظام الاوقات' تقسیم ترکہ 'صدقۂ فطر' فدیہ 'صوم و صلوٰۃ وغیرہ غرض جہاں کہیں بھی ریاضی کے استعمال کی ضرورت پڑی آپ نے نہ صرف زیر نظر موضوع پر پہلے سے موجود فتاوٰی کو ان کی منطقی اور ریاضیاتی گہرائی تک خود پرکھا بلکہ اس موضوع کو تحقیق انیق کے درجے تک لاتے ہوئے جدید ریاضی کا استعمال بھی کیا' تحقیقی موضوعات میں جدید ریاضی کے استعمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔" افسوس کہ ہمارے دور میں امام احمد رضا کے اس تحقیقی طریقے کی پیروی نہیں ہو رہی ہے اور بعض اہم مسائل کے سلسلہ میں ہم جدید علوم سے استفادہ کر کے کوئی ٹھوس حل یا لائحۂ عمل طے نہیں کر پا رہے ہیں' ہندوستان میں علمائے اہلسنت میں الجامعۃ الاشرفیہ کے استاد مفتی نظام الدین صاحب میری معلومات کے مطابق واحد عالم دین ہیں جو دینی مسائل کی تحقیق کے ضمن میں جدید علوم کی طرف توجہ کرتے ہیں' پروفیسر صادق ضیاء کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے اور جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق حوالوں کے ساتھ ہے 'امید ہے کہ ہمارے ملک کے محققین کے لئے یہ مشعل راہ ثابت ہوگا۔

محمد شمشاد حسین رضوی کا مضمون "امام احمد رضا اور سائنٹیفک انداز فکر" ایک معیاری علمی کاوش ہے البتہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے حوالے سے مصنف کا جو نظریہ ہے اس میں تحقیق کم جذباتیت زیادہ حاوی ہے' باقی مضمون میں مصنف نے مدلل انداز سے امام احمد رضا کے طریقۂ تحقیق کو پیش کیا ہے' یہ مضمون ان اشخاص کے لئے روشن ہدایت ہے جو بہت عجلت سے فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔

امام احمد رضا تنہا تحقیق فرماتے تھے 'اب تو اداروں کی کمی نہیں لیکن امام اہلسنت کا طریقۂ تحقیق اہلسنت کے حلقوں میں مفقود ہے۔

"امام احمد رضا اور عبدالرزاق ملیح آبادی" محمد نوشاد عالم چشتی کا تحقیقی مضمون .... پڑھ کر اہلسنت و جماعت سے وابستہ مصنفین کی نئی نسل پر اعتماد پیدا ہوتا ہے 'محمد نوشاد عالم چشتی کا خیال ہے کہ "آزاد صاحب کے معتمد خاص مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے گروہی عصبیت سے متاثر ہو کر اپنی تصنیفات میں فاضل بریلوی پر نہایت سنگین قسم کے الزامات کئے۔" نوشاد صاحب نے ان الزامات میں سے صرف تین پر گفتگو کی ہے ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ "یقیناً فاضل بریلوی کے مخالفین کذب و خیانت سے کام لیتے ہیں 'آج تک کوئی

ثبوت بلا تحریف و خیانت کے فاضل بریلوی کی کسی بھی کتاب سے نہ لا سکے' جو ان کے الزام و بہتان تراشی کی تصدیق کسی بھی جہت سے کرتا ہو' اسی لئے عبدالرزاق ملیح آبادی 'الزام تراشی' بہتان بازی کی تمام تر کوششوں کے باوجود فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح نہ کر سکے۔" مقالے کے ساتھ ضروری حوالے دیئے گئے ہیں جو مزید تحقیق و جستجو کے لئے دعوت فکر دیتے ہیں۔

امام احمد رضا نے دین و مذہب کے حوالے سے اردو کو تحقیقی و تنقیدی اور ادبی جواہر پاروں سے مالامال کیا' اس موضوع پر امجد رضا خاں امجد کا مضمون اردو میں مذہبی ادب کا تنقیدی جائزہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری کا مضمون "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت "تعلیقات بر حاشیہ طحطاوی کی روشنی میں" مولانا نعمانی صاحب نے اس مضمون میں حاشیہ 'طحطاوی پر تعلیقات امام احمد رضا کا تعارف' خصوصیات اور بعض اہم نمونے پیش کیے ہیں' ان کا خیال ہے کہ امام احمد رضا کے حواشی اور تعلیقات کا درجہ عام حواشی اور تعلیقات سے بالکل مختلف ہے' مضمون کے تعارفی حصے میں جہاں مولانا نعمانی صاحب نے امام احمد رضا کے حواشی کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے اُس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف امام احمد رضا کی فکر و نظر اور انداز تحقیق پر گہری نظر رکھتے ہیں ان کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ "اعلیٰ حضرت کے حواشی و تعلیقات مستقل تصنیف و تحقیق کا درجہ رکھتے ہیں' قدیم شروح و حواشی کا انتخاب یا عطر مجموعہ نہیں ہوتے جیسا کہ بیشتر شروح و حواشی کا حال ہے۔" اعلحضرت کے حواشی و تعلیقات کی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے مولانا نعمانی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ جب تک اعلحضرت کے "حواشی" منظر عام پر نہیں آتے اصل کتابوں سے استفادہ کرنے والے بعض ان مقامات پر جہاں مصنفین سے تسامحات واقع ہوئے ہیں غلط فہمی کا شکار ہوں گے بلکہ کتنے مفتی حضرات تو ان تعلیقات کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے افتاء میں غلطی بھی کر بیٹھیں گے۔" مولانا نعمانی صاحب کے اس مضمون کی روشنی میں ہمیں اس پر اصرار کرنا چاہیئے کہ متعدد کتابوں پر اعلحضرت کے حواشی و تعلیقات کو جلد سے جلد منظر پر لایا جائے ورنہ جس خطرے کی طرف مفتی نعمانی صاحب نے اشارہ کیا ہے اسے کسی اور طرح سے ٹالنا نظر نہیں آتا۔

دیگر مضامین میں ڈاکٹر سید عبداللہ طارق کا مضمون "امام احمد رضا کے معاشیات' سائنس' ریاضی اور تقابل ادیان۔ ایک مطالعہ" تحقیقات امام احمد رضا میں ایک اہم اضافہ ہے' اعلحضرت کے افکار کی جامعیت کو متعارف کرانے کے لئے یہ ایک اچھی کاوش ہے۔

"بزم رضا" کے زیر بحث خصوصی شمارے میں اگر کوئی 'کمی' ہے تو وہ یہ ہے کہ پیشہ ور مقررین کے افکار کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی ہے' وہ مقررین حضرات جو قریہ قریہ مسلک اعلحضرت کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہیں اُن کے افکار کو بھی اس شمارے میں جگہ ملنی چاہئے تھی' مدیر موصوف فرمائیں گے کہ انھوں نے اپنے رشحات زبان کو "رشحات قلم" میں منتقل کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی اس لئے یہ کمی رہ گئی' لیکن اس کی

کے باوجود اس شمارے کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ مقررین اپنا کام کر رہے ہیں اور اصحاب قلم اپنے کام میں مشغول ہیں' دونوں کا دائرہ عمل الگ ہے لیکن ایک مطالعہ ضرور کیا جائے گا کہ تحقیقات امام احمد رضا جب شائع ہو کر منظر عام پر آجائیں تب ہمارے مقررین حضرات اپنی رٹی ہوئی تقریروں میں کچھ اضافے ان تحقیقات سے ضرور کرلیں کیونکہ پڑھنے والے کم ہیں' سننے والے زیادہ' سنی اہل قلم اور دانشور جو لکھ رہے ہیں اسے سُنا دیا جائے تو بہت اچھا' یہ بھی عبرت کی بات ہے کہ ہمارے اصحاب قلم عام سنیوں تک اپنی بات پہنچانے کے لئے زبان دیگر کے محتاج نظر آرہے ہیں' مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب نے تحقیقات امام احمد رضا کو شائع کر کے اہلسنت کے علمی اثاثے میں اضافہ کیا ہے' اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں' امید ہے یہ رسالہ گھر گھر پہنچے گا اور اس طرح امام احمد رضا کی فکر کے بہت سے گوشوں سے لوگ واقف ہوں گے' اس کے علاوہ اس طرح کی علمی تحریک سے اہل سنت کے اصحاب قلم اور دانشوروں کی نئی نسل کو تحریک ملے گی کہ وہ علاوہ اپنی دیگر مصروفیات کے کچھ وقت دینی و مذہبی قلمی کاوشوں کے لئے بھی نکالیں' تقریروں کا اثر زائل ہو جاتا ہے لیکن تحریر کا سحر دیرپا ہوتا ہے' اعلحضرت ہمارے درمیان ایک فکر' ایک تحریک' ایک ادارہ بن کر زندہ و جاوید ہیں اس کی بنیاد ان کی تصنیفات ہیں' مسلک اعلحضرت کو سب سے زیادہ نقصان اُن لوگوں سے پہنچ رہا ہے جو مسلک اعلحضرت کی ترویج و اشاعت کے لئے علمی و تحقیقی انداز کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے' تحقیق سے دائرۂ معلومات وسیع ہو گا' ہم ایک نئے دور سے گزر رہے ہیں اس دور کے تقاضے کچھ اور ہیں اور یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ انھیں پورا کرنے کے لئے نظر چاہئے۔ "پیغام رضا" ایک ایسی ہی نظر پیش کر رہا ہے'' "پیغام رضا" کے مدیر اور اس سے وابستہ سب ہی احباب کو میں مبارکباد پیش کرتا ہوں' رب تبارک و تعالیٰ اُن سے ایسے اور اس سے بھی اچھے کام لے۔ آمین۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

پیغام رضا مفتی اعظم نمبر

مدیر اعلیٰ: رحمت اللہ صدیقی   قیمت: ۹۲ روپے
رابطہ: اجمیری بجڑ پورے ۹۶ اڈ مٹمکر روڈ ناگپاڑہ ممبئی۔ ۸

حضرت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ کے خلف اصغر مولانا مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمہ کو جنہیں عالم اسلام مفتی اعظم ہند کے نام سے جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصاف سے بہرہ افروز فرمایا تھا جن سے ان کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فیضاب تھے۔

زیر مطالعہ رسالہ پیغام رضا کے مفتی اعظم ہند نمبر میں ۲۷ مضامین شامل ہیں جنہیں حضرت مفتی اعظم ہند کی خدمت میں مشاہیر اہل قلم کی عرق ریزی اور جگر کاری کے ذریعے مفتی اعظم سے عقیدت و محبت کا بہترین نذرانہ کہا جاسکتا ہے۔ بعض مقالات کو پڑھنے کے بعد عقل ایک ایسے تحیر خیز انکشاف سے دوچار ہوتی ہے کہ ایک عبقری اور نابغہ روزگار شخصیت کن اوصاف کی حامل ہوتی ہے جسے باوجود کوشش بسیار کے حیطہ ادراک میں نہیں لایا جاسکتا۔ ان مقالات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مفتی اعظم ہند کا تبحر علمی، اوصاف و کمالات اور دیگر معجزاتی کارنامے اس قدر درجہ وسیع ہیں کہ ہر مقالہ پھیل کر بہ آسانی کتاب کی شکل اختیار کر سکتا ہے بلاشبہ مفتی اعظم ہمہ صنعت متصف تھے خدا نے انہیں بیک وقت فقیہہ مجتہدانہ بصیرت، تبحر علمی، حق گوئی، اعلیٰ ادبی شعور، جرأت و بے باکی، کمال درجہ عشق رسول اور بہترین قائدانہ صلاحیتوں اور توانائیوں سے نوازا تھا۔

مفتی اعظم ہند کی شخصیت سے متعلق شمشاد حسین رضوی یوں رقمطراز ہیں جب کہیں مفتی اعظم ہند کا نام لیا جاتا ہے تو عالم تصور میں ایک ایسی ذات اور شخصیت کا تصور ابھرتا ہے جو گوناگوں خوبیوں کمالات اور خصوصیات کی حامل ہے زبان و ادب، لسان و بیان، نظم و نثر، شعر و سخن، علم و فن، شعور و ادراک فصاحت و بلاغت الفاظ کی سحر کاری، حسن و خوبی، شگفتگی و رعنائی، ندرت کلام، جودت فکر، دقت نظر، بلندی خیال، رفعت تصور، پاکیزگیٔ دل، تہذیب نفس، رقتِ قلب، نزاکت دل، زہد و ورع، تقویٰ و پرہیزگاری اور شجاعت و بہادری جیسی اہم خوبیاں اسی شخصیت کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔

رضوی صاحب حضرت مفتی اعظم ہند کی شخصیت اور ان کی ذات گرامی میں جذب و کشش اور مقناطیسی اثر سے متعلق آگے لکھتے ہیں کہ مفتی عبد المنان صاحب آپ کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا سارے بال سفید ہو گئے تھے قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا۔ اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گذر جائیں دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے جس محفل میں بیٹھ جائیں لوگ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں جس سے مصافحہ کرلیں وہ اسے اپنی سعادت تصور کرے۔

مفتی اعظم ہند شاعری میں نوری تخلص فرماتے تھے آپ کی شاعرانہ صلاحیت سے متعلق پروفیسر عبدالمغنی کا درج ذیل تبصرہ برمحل ہوگا۔ فرماتے ہیں مفتی اعظم ہند کی شخصیت برصغیر میں آفتاب علم وکمال کی حیثیت رکھتی تھی ان کے عشق کی آنچ جہاں جذبات کو مہمیز کیا وہیں علمی تبحر نے احتیاط کی راہ دی اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتی اعظم کے کلام کو سادگی اور معنوی حسن عطا کیا چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

چارہ گر یہ دل ہے گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا

●●●

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یوں ہی زندگانی گذارا کروں میں
دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں
محمد محمد پکارا کروں میں
مرا دین وایمان فرشتے جو پوچھیں
تمہاری ہی جانب اشارا کروں میں

●●●

تیرے باغ حسن کی رونق کا عالم کیا کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گلزار کا

غرض پیغام رضا کے اس مفتی اعظم ہند نمبر میں حضرت مفتی اعظم سے متعلق رسالہ کے مدیر اعلی رحمت اللہ صدیقی نے وہ تمام معلومات یکجا کردی ہیں جو نہ صرف مفتی اعظم کی خدمت میں ان کا ایک گرانقدر نذرانہ ہے بلکہ اس کے ذریعے معارفت وحقیقت کے طالبان شوق کو ایک زبردست تحریک ملتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنی دنیا وعاقبت سنوار سکتے ہیں۔

اس موقع پر نمبر میں صدیقی صاحب کے اداریہ سے صرف نظر کرنا نہ صرف آپ بے بہرہ ہونا ہے بلکہ ایک فاش غلطی اور ناانصافی کا مرتکب ہونا بھی ہے بلاشبہ صدیقی صاحب کا اداریہ اپنی جگہ ایک مبسوط مقالے کی حیثیت رکھتا ہے جس کو سب سے پہلے پڑھ لینا از حد ضروری ہے اس نمبر کی قیمت ۹۲ روپے اس مہنگائی اور گرانی کے زمانے میں کچھ بھی نہیں اس نمبر کو نہ خریدنا بدنصیبی اور محرومی ہوگی ہم اپنے قارئین سے اس نمبر کو خریدنے اور اسے ہاتھوں ہاتھ پہنچانے کی زبردست سفارش کرتے ہیں۔

(مبصر:۔ الف نون:۔ بحوالہ روزنامہ "انقلاب" جمعہ ۲۳ مئی ۹۷ء)

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اِفکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
- علمائِ اہلِ سُنّت وجماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دِن رات کوشاں رہنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
- اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
- ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔

ADABI OFFSET MUMBAI - 400 008, Tel : 301 0219